قیمت: پانچ روپے

پاکستانی سیاست پر جنرل ضیاء الحق کا سایہ
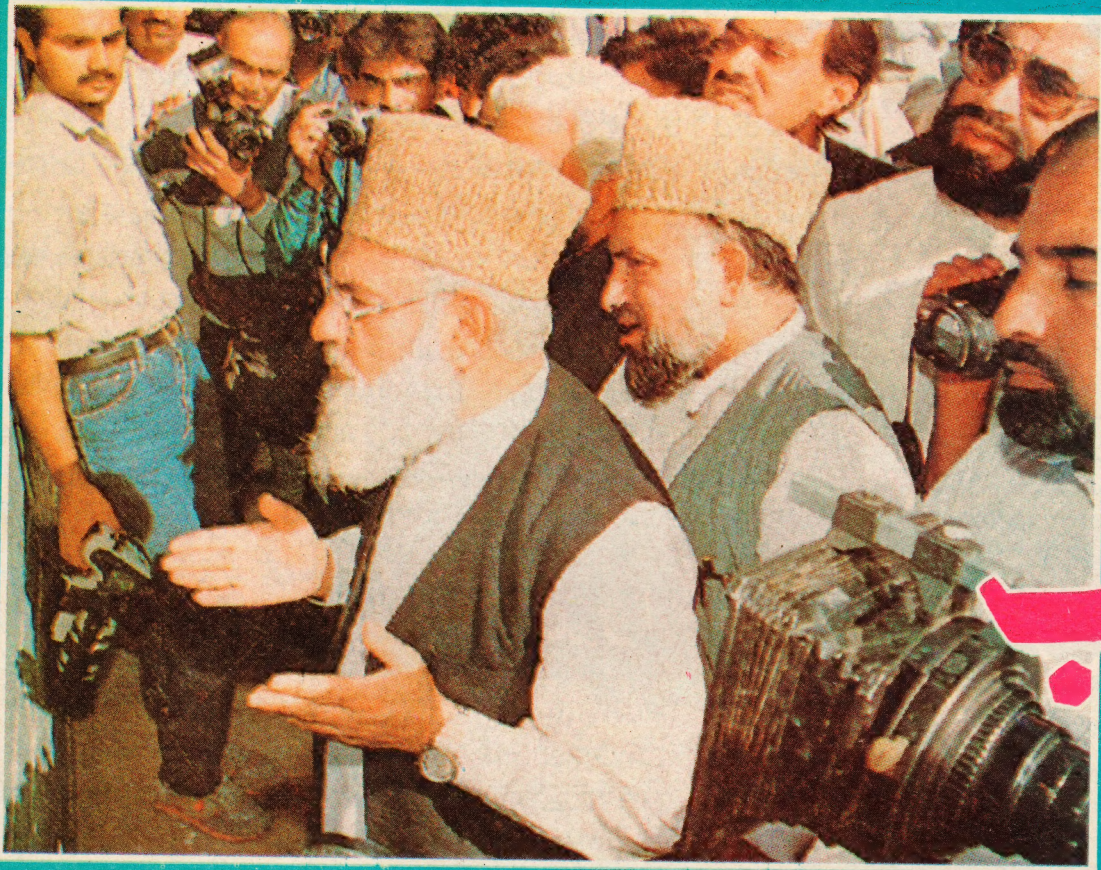
Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

جنگلوں کی خاک چھاننے سے بین الاقوامی دلالی تک

بڑے بڑے سربراہان مملکت کو بیوقوف بنانے والے ایک نام نہاد تانترک کی داستان

گذشتہ دنوں متنازعہ تانترک چندرا سوامی دہلی کے قطب انسٹی ٹیوشنل ایریا میں واقع اپنے آشرم میں مطمئن اور آسودہ حال اپنے شاگردوں میں گھرے ہوئے تھے، اسی اثناء میں وہاں سے اٹھ کر چلتے ہوئے علم فلکیات کے ایک ماہر نے اپنے ساتھی سے پوچھا "چندرا سوامی کا چہرہ قریب سے دیکھا ہے؟" اس نے جواب دیا "ہاں بالکل توے کی طرح سیاہ ہے۔"

"اور دونوں ہاتھ" پہلے نے سوال کیا۔ "نہیں دیکھا۔" دوسرے نے جواب دیا۔ پہلے نے کہا "بالکل سرخ ہیں ایک دم سرخ" "تو کیا ہوا۔" اس پر ماہر علم فلکیات نے کہا کہ جس میں یہ علامتیں ہوں اس کا عروج پر پہنچنے کے فوراً بعد زوال شروع ہو جاتا ہے۔ تو کیا چندرا سوامی کا زوال شروع ہو گیا ہے۔؟

چندرا سوامی کا اصل نام نیمی چند جین ہے۔ ان کا جنم 1949ء میں راجستھان کے الور ضلع کے بہروڑ قصبے میں ہوا تھا۔ یہ صرف آٹھویں تک تعلیم حاصل کر سکے اور اس کے بعد "روحانی علم" کی تلاش میں جنگلوں میں نکل پڑے۔ سادھوؤں کی صحبت میں رہے اور سادھوئی کرنے کے تمام گر سیکھے۔ جب یہ 23 سال کے ہوئے تو ان کے والدین آندھرا پردیش آ کر بس گئے۔ انہی دنوں ناگار جن ساگر اسکینڈل میں چندرا سوامی کا نام اچھلا۔ اور پھر سوامی آگے بڑھتے چلے گئے انہوں نے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔ اس اسکینڈل میں یہ پکڑے گئے اور حراست میں رہے۔ اس کے بعد ہی تو ان کی قسمت کا بند قفل کھل گیا۔ اس دوران آندھرا پردیش میں سیاست کر رہے نرسمہا راؤ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ 1970ء کے آس پاس کا واقعہ ہے۔ جنگلوں میں رہ کر انہوں نے جو گر سیکھا تھا وہ کام آنے لگا اور پھر ایک دن انہوں نے خود کو تانترک اعلان کر دیا۔

72-1971ء کے دوران چندرا سوامی نے دہلی کی سیاست میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ 1973ء میں جب راؤ صاحب آل انڈیا کانگریس کے جنرل سکریٹری ہو کر دہلی آئے تو سوامی کی دہلی آمد و رفت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اس وقت وہ ساؤتھ ایونیو میں چندر شیکھر کی رہائشگاہ کے پاس سرونٹس کوارٹر میں رہتے رہے۔ ایمرجنسی میں یہ مستقل طور پر دہلی آ گئے۔ یہ چندرا سوامی کی تیزی اور ان کی "سادھوئی" ہی کا جادو تھا کہ ان کے چیلوں کی فہرست میں سیاستدانوں کے علاوہ تاجروں، اسمگلروں، نوکر شاہوں اور فلم اداکاروں کی ایک طویل جماعت درج ہو گئی۔

1990ء کی دہائی کے آس پاس ان کی شہرت و مقبولیت نے ملک کی سرحدیں توڑ دیں۔ ان کا نیٹ ورک پوری دنیا میں پھیل گیا۔ برونئی کے سلطان حسن البلقیا، اسلحوں کے بین الاقوامی تاجر اور دلال عدنان خشوگی، سنگاپور کے وزیر اعظم اور خلیجی ممالک کی بے شمار ہستیوں سے ان کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے اور بین الاقوامی کاروبار میں انہیں ایک موثر ثالث مانا جانے لگا۔

> **برونئی کے سلطان حسن البلقیا، اسلحوں کے بین الاقوامی تاجر اور دلال عدنان خشوگی، سنگاپور کے وزیر اعظم اور خلیجی ممالک کی بے شمار ہستیوں سے ان کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے اور بین الاقوامی کاروبار میں انہیں ایک موثر ثالث مانا جانے لگا۔**

چندرا سوامی کی ایسی امیج اس وقت ابھر کر سامنے آئی جب 1985ء میں برطانیہ کے عالمی شہرت یافتہ "ڈپارٹمنٹل سٹور" "ہیروڈس" پر مالکانہ حقوق جتانے کے ایک معاملے میں انہوں نے اہم رول ادا کیا۔ ملکیت کو لے کر رسہ کشی محمد الفید اور ٹنی رولینڈ کے درمیان تھی۔ چندرا سوامی نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے فید کی بات ٹیپ کی تھی جس میں اس نے اعتراف کیا تھا کہ ہیروڈس کو خریدنے کے لئے خرچ کیا گیا پیسہ دراصل برونئی کے سلطان کا تھا۔ چندرا سوامی کسی بھی طرح ہیروڈس پر سلطان کو قبضہ دلوانا چاہتے تھے۔ انہوں نے رولینڈ کو بیس لاکھ ڈالر میں وہ ٹیپ فروخت کر دیا۔ جب رولینڈ کو اس ٹیپ میں کچھ نہیں ملا تو چندرا سوامی پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا لیکن انہیں ٹھگ کہنے کے علاوہ رولینڈ ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکا۔

اس طرح چندرا سوامی کبھی ایران گیٹ دلالی کی وجہ سے تو کبھی ساڑھے تین کروڑ ڈالر کے ہتھیاروں کی سودے بازی کی وجہ سے سرخیوں میں چھائے رہے۔ خشوگی کی وجہ سے وہ ایران گیٹ اسکینڈل میں ملوث پائے گئے۔ سی بی آئی نے اس سلسلے میں ان کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھی اور ان سے پوچھ تاچھ بھی کی۔ لیکن ان بحفاظت وطن واپس آ گئے۔ واپسی پر ان کا نام بوفورس اسکینڈل سے بھی جڑ گیا۔ سینٹ کٹس کے

کیا نرسمہا راؤ چندرا سوامی کو گرفتار کروا کر ان سے اپنی ناوابستگی کا ثبوت دیں گے

سلسلے میں فرضی دستاویز تیار کرنے کا بھی الزام ان

> **بین الاقوامی سطح پر وہ کئی قسم کے کاروبار میں شریک بتائے جاتے ہیں، مثلاً کینٹگی (امریکہ) سے کوئلہ، سوری نام سے سویابین، زائرے (افریقہ) سے تانبہ وغیرہ کے ان کے کاروبار چل رہے ہیں۔ زائرے کے صدر چندرا سوامی کے دوستوں میں ہیں۔**

معاملوں میں چندرا سوامی کو پھانسا نہیں جاسکا اور وہ [illegible] کے سرہے۔

اس کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر وہ کئی قسم کے کاروبار میں شریک بتائے جاتے ہیں، مثلاً کینٹگی (امریکہ) سے کوئلہ، سوری نام سے سویابین، زائرے (افریقہ) سے تانبہ وغیرہ کے ان کے کاروبار چل رہے ہیں۔ زائرے کے صدر چندرا سوامی کے دوستوں میں ہیں۔ انہی بین الاقوامی روابط کی بنیاد پر امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن، اردن کے شاہ حسین، جم رائٹ (سینیٹر) فیدل مارکوس اور ٹرسٹ ہاؤس فورڈ کے لارڈ جیسی بے شمار بین الاقوامی ہستیاں ان کے "جادو" کی اسیر ہیں اور ان سے دوستی پر فخر کرتی ہیں۔

ابھی حال ہی میں اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ چندرا سوامی ایک بچے کے باپ ہیں۔ اس بچے کی پیدائش 17 فروری 1991ء کو نیویارک میں ہوئی تھی۔ اس بچے کی ماں کا نام ٹینا اوگوزینسکی ہے اس کے ساتھ وہ عدنان خشوگی کے پیرس کے محل میں رہتے تھے۔ یہ خبر پہلے نیویارک کے ایک ہفت روزہ "نیوز انڈیا" میں چھپی اور اس کے بعد ہندوستان کے اخبارات کی زینت بنی، چندرا سوامی اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں لیکن اخبارات میں مذکورہ بچے کی پیدائش کا سرٹیفیکیٹ بھی شائع ہوا ہے۔

ٹینا کے علاوہ چندرا سوامی کے تعلقات بدنام زمانہ ماڈل پامیلا بورڈس سے بھی رہے ہیں وہ انہی کے توسط سے خشوگی تک پہنچی تھی۔ اس نے ایک بار یہ "انکشاف" کیا تھا کہ جس پلنگ پر اس نے خشوگی کے ساتھ رات گزاری تھی ویسا پلنگ اس نے اس سے قبل دنیا میں کہیں نہیں دیکھا۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا جب چندرا سوامی اور خشوگی سے پامیلا خوفزدہ رہنے لگی۔ اس کا کہنا ہے کہ "ان میں ایک ایسی عجیب اور طاقتور کشش ہے کہ میں ان کے عشق میں سب کچھ فراموش کر گئی تھی۔ جیسا انہوں نے چاہا میں نے کیا۔ جیسے وہ میرے دماغ پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے تھے۔"

پامیلا کے ساتھ ساتھ ہالی ووڈ کی مشہور اداکارہ ایلزبتھ ٹیلر بھی چندرا سوامی کی گہری دوست ہے۔ انہوں نے ایلزبتھ کی ہڈی کی کسی بیماری کا علاج کیا تھا اور اس کے بعد ہی وہ چندرا سوامی کی چیلی بن گئی۔ ایلزبتھ نے بعد میں ہالی ووڈ کی کئی فلمی ہستیوں کو چندرا سوامی سے ملوایا۔ عرب ممالک کی کئی حسینائیں بھی چندرا سوامی کے دام فریب میں پھنس چکی ہیں۔

کبھی ایک معمولی سی ملازمت کے محتاج چندرا سوامی آج کروڑوں کے مالک ہیں۔ یوروپ کے

بقیہ: صفحہ ۱۲ پر

چندرا سوامی کی کیس فائل

1989ء میں جب وی پی سنگھ راجیو گاندھی کے خلاف ایک طاقتور لیڈر کی حیثیت سے ابھر رہے تھے تو اسی اثناء میں اخبارات میں ایک چونکا دینے والی خبر چھپی کہ وی پی سنگھ کے بیٹے اجے سنگھ کا سینٹ کٹس میں کھاتہ ہے، اور اس کی سود کی رقم تین لاکھ تیس ہزار ڈالر ہوتی ہے جس کا فائدہ خفیہ طور پر وی پی سنگھ کو حاصل ہوگا، کھاتہ نمبر بھی اخبارات میں شائع ہوا۔ لیکن 1990ء میں اجے سنگھ کو لاانفورسمنٹ اتھارٹی نے بے قصور ثابت کر دیا بعد میں معلوم ہوا کہ اس کھاتہ نمبر اور اس کی تمام تفصیلات فرضی طور پر تیار کر کے چندرا سوامی نے سپلائی کی تھیں۔ وی پی سنگھ نے وزیر اعظم بننے کے بعد اس کی تحقیقات شروع کروائیں اور این کے سنگھ کو اس کا ذمہ دار بنایا لیکن انہیں ٹرانسفر کر دیا گیا۔ چندر شیکھر نے سی بی آئی کے سامنے جا کر کہا کہ آپ چندرا سوامی کو کیوں طلب کر رہے ہیں وہ تو قومی اہمیت کا کام کر رہے ہیں۔

23 فروری 1988ء کو انکم ٹیکس محکمہ کی جانب سے چندرا سوامی اور ان کے سکریٹری کے۔ این اگروال عرف ماما جی کے تجارتی اور رہائشی کمپلیکس پر چھاپہ مارا۔ جس میں پتا چلا کہ چندرا سوامی کئی بین الاقوامی اسلحوں کی دلالی میں ملوث ہیں اور ان کے خفیہ طور پر کئی کاروبار چل رہے ہیں۔ انکم ٹیکس ٹیم

دہلی میں چندرا سوامی کا عالیشان آشرم

نے کئی رازوں سے پردہ اٹھایا چندرا سوامی کی رہائش سے اس کو سو صفحات کی ایک دستاویز ملی، جس میں

> **مارچ 1995 میں ایس کے جین نے انکشاف کیا کہ نرسمہا راؤ کو جین نے سوامی کے ذریعے ہی روپے دیئے تھے۔ حال ہی میں ببلو شریواستو نے انکشاف کیا کہ سوامی اور داؤد ابراہیم میں بھی تعلقات ہیں۔**

مختلف اسلحوں کی مختلف مواقع پر دلالی کی تفصیل درج تھی۔ حاصل شدہ دستاویزات سے یہ بھی پتا چلا کہ سوامی اور عدنان خشوگی میں گہرے تعلقات ہیں۔ 1982ء سے 1990ء کے دوران چندرا سوامی

اور ماما جی کی رہائش گاہوں پر چھاپوں کے دوران جو غیر قانونی اشیاء ملیں ان کے خلاف دونوں کو وجہ بتاؤ نوٹس جاری کئے گئے۔ اس وقت کے سی بی آئی ڈائرکٹر کا اس سلسلے میں کہنا تھا کہ دونوں کو حاصل ہونے والی غیر ملکی کرنسیوں اور دوسری چیزوں کے پیش نظر ان دونوں کے غیر ملکی دورے پر پابندی عائد کر دینی چاہئے۔ لیکن عدالت کی اجازت سے سوامی کا غیر ملکی دورہ جاری رہا۔ 23 فروری 1990ء کو پڑے چھاپے سے پتا چلا کہ ماما نے خشوگی کے ایک نامعلوم بینک سے پانچ ملین ڈالر رقم اپنے کھاتے میں منتقل کروائی ہے۔

1980ء میں چندرا سوامی نے ایک ملیشیائی شہری دتو کے کے شرما کے ذریعے ایک لاکھ آٹھ ہزار امریکی ڈالر کا زر مبادلہ ہانگ کانگ کی ایک کمپنی کے کھاتے میں منتقل کروایا، 14 مارچ 1980ء کو پچاس ہزار ڈالر کا زر مبادلہ نیدر لینڈ میں بج ناتھ مشرا سے حاصل کیا۔ مارچ 1980ء میں روٹرڈم میں ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر کا غیر ملکی زر مبادلہ اور 1980ء ہی میں

بقیہ: صفحہ ۱۲ پر

سیاسی ابن الوقتی کی بنیاد پر قائم پہلی دلت حکومت کا خاتمہ

بی جے پی و بی ایس پی نے کیا کھویا اور کیا پایا

رپورٹ۔سہیل انجم

اتر پردیش میں مایاوتی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ ریاست کا سیاسی منظرنامہ ایک بار پھر بدل گیا۔ بی جے پی نے جس جوش و خروش کے ساتھ بی ایس پی کی غیر مشروط حمایت کرکے بزعم خود ہندوستان کی پہلی دلت حکومت بنوانے کا سہرا اپنے سر باندھا تھا اسی شکست خوردگی کے ساتھ اس نے حمایت واپس لے کر پہلی دلت حکومت کا خاتمہ کردیا۔ دونوں پارٹیوں کا ہنی مون محض ساڑھے چار مہینے میں ختم ہوگیا اور تعلقات میں تلخی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بی جے پی نے بی ایس پی کو طلاق مغلظہ دے دی۔ دونوں میں یوں بھی زیادہ دنوں تک نہیں نبھتی۔ کہاں اونچی ذات والوں کی نمائندہ پارٹی اور کہاں اونچی ذات کو گالیاں دینے اور دبے کچلے و پسماندہ طبقات کی نمائندگی کا دعوی کرنے والی جماعت۔ کہاں رام راجیہ کی سیاست کے نام پر ہندوستان کو ہندو راشٹر میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھنے والے لوگ اور کہاں رام کو گالیاں دینے والے کی عزت افزائی کرنے والے۔ کہاں تک گاڑی کھنچتی۔ بے اصولی سیاست اور موقع پرستی و ابن الوقتی کی بنیاد پر قائم ہونے والے اتحاد کا یہی منطقی انجام ہونا تھا۔

یوپی کے واقعات کو گجرات کے حالیہ واقعات کے ساتھ جوڑ کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بلا جھجک یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بی جے پی کے زوال کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ابھی رکا نہیں ہے۔ مرکز میں اقتدار کا خواب دیکھنے والی جماعت بری طرح بکھر رہی ہے۔ یوپی اور گجرات کے حالات بلاشبہ آئندہ عام انتخابات میں بی جے پی کی کامیابی کے امکانات کو متاثر کریں گے۔ بی ایس پی کی حمایت کے وقت بی جے پی کے سامنے دو مقاصد تھے۔ ایک تو ملائم سنگھ کی حکومت کا خاتمہ کرکے دلت مسلم اتحاد کو توڑنا اور دوسرے بی ایس پی کے دلت ووٹ بینک میں نقب لگا کر اپنے آپ کو دلتوں کا دوست ثابت کرنا اور اس سے انتخابات میں فائدہ اٹھانا۔

بی جے پی ان مقاصد میں بری طرح ناکام ہوئی ہے۔ ملائم حکومت کو گرانے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ وہ تو بی ایس پی نے حمایت واپس لے لی اور حکومت گر گئی۔ بی جے پی دلت مسلم اتحاد کو توڑنے میں ناکام رہی۔ ساڑھے چار مہینے کی حکومت کے بعد بھی ریاست میں دلت مسلم اتحاد قائم ہے اور ملائم سنگھ نے دلتوں اور مسلمانوں میں اپنی جو بنیاد بنائی تھی وہ بدستور ہے۔ حالانکہ بی ایس پی نے ایس پی کے ممبران کو توڑنے کی کوشش کرکے ملائم کو کمزور بنانا چاہا تھا لیکن وہ اس میں زیادہ کامیاب نہیں ہوسکی۔ بی جے پی نے دلتوں میں اپنی جگہ بنانے کے لئے جس دلت حکومت کے قیام کا پروپیگنڈہ کیا تھا اسی حکومت کو توڑ کر اس نے عملی طور پر دلتوں کو بتا دیا ہے کہ اسے ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ ان ساڑھے چار مہینوں میں بی جے پی دلتوں میں اپنی جگہ بنانے میں ناکام رہی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ ہوا کہ بی ایس پی نے بی جے پی کے دوش پر سوار ہوکر اتر پردیش میں رام کو گالیاں دینے والے پیریار کا میلہ منعقد کیا۔ اپنے مفاد اور حکمت عملی کے تحت افسران کا بڑے پیمانے پر تبادلہ ہوتا رہا۔ بی ایس پی کے اندرونی ذرائع کے مطابق مایاوتی نے تبادلوں کی آڑ میں پارٹی فنڈ جمع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ وہ تبادلہ کرتی تھیں اور دوسرے جو مایاوتی کے نامزد کردہ تھے، پیسے لے کر ان تبادلوں کو رکواتے تھے۔ وہ پیسے پارٹی فنڈ میں جمع ہوجاتے تھے۔ بی جے پی نے عام انتخابات کو مدنظر رکھ کر مایاوتی کو وزیر اعلی بنوایا تھا لیکن عام انتخابات سے قبل ہی وہ ان حالات سے دوچار ہوگئی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حمایت واپس لینی پڑی۔

گجرات میں ہونے والے حالیہ واقعات نے بی جے پی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری ریاستوں میں بھی ناراض لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ گجرات کے واقعات کے تناظر میں پارٹی اعلی کمان ابھی یوپی میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھی لیکن کلیان سنگھ اور کلراج مشرا کی حکومت مخالف سرگرمی جاری رہی۔ دونوں لیڈروں کی غالبا گجرات کے حالات سے حوصلہ افزائی ہوئی اور انہوں نے "بلیک میلنگ" کا سلسلہ شروع کردیا۔ پارٹی اعلی کمان نے اس خدشے کے پیش نظر کہ یوپی میں بھی گجرات جیسے حالات نہ ہوجائیں ریاستی یونٹ کے آگے گھٹنے ٹیک دئے۔

دراصل یہ آر ایس ایس کی حکمت عملی کی زبردست ناکامی ہے۔ رجو بھیا کے سرسنگھ چالک بننے کے بعد آر ایس ایس بھی زوال پذیر ہوگئی ہے۔ سیاسی مفاد پرستی کے تناظر میں اس کے لیڈران ایسے فیصلے کرنے لگے ہیں جو آگے چل کر ان کی حکمت عملی کے برعکس نتائج برآمد کرتے ہیں۔ ان واقعات نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ آر ایس ایس کا حکم اب حرف آخر نہیں رہ گیا ہے۔ آر ایس ایس نے دلتوں کو رام کرنے کے لئے ہی مایاوتی کی حمایت کا فیصلہ لیا تھا لیکن اسے یہاں بھی منہ کی کھانی پڑی۔ مجموعی طور پر بی جے پی کو مایاوتی حکومت کی حمایت اور پھر حمایت واپسی کے فیصلے سے کوئی سیاسی فائدہ نہیں ہوا۔ اس کے برعکس اسے نقصانات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

جہاں تک بی ایس پی کا سوال ہے تو اس نے بھی پانے کے مقابلے میں کھویا زیادہ ہے۔ سب سے بڑا نقصان تو اس کا یہی ہوا کہ اس کے دس ممبران اسمبلی اس سے الگ ہوگئے اور راج بہادر کی قیادت میں الگ بی ایس پی بن گئی۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں اور دلتوں میں یہ شعور پیدا ہوگیا کہ بی ایس پی سیاسی مفاد پرستی کے تحت کسی سے بھی سودے بازی اور سمجھوتہ کرسکتی ہے ورنہ بی جے پی جیسے اپنے روایتی حریف کے تعاون سے حکومت کرنے کا کیا سوال تھا۔ ویسے بھی مایاوتی حکومت کے قیام کے بعد مسلمانوں میں بی ایس پی

باقی ص۸ پر

بی جے پی کے اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن شریف سے

واہ واہ! سبحان اللہ۔ بی جے پی کے اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن شریف سے۔ جی ہاں۔ آپ چونکئے نہیں، یہ حقیقت ہے افسانہ نہیں۔ ابھی گذشتہ دنوں علیگڑھ میں بی جے پی کے اقلیتی سیل کا کنونشن منعقد ہوا تھا اور اسی میں قرآن شریف کی تلاوت ہوئی تھی۔ شاید اب بی جے پی کے نزدیک بھی اقلیتوں سے مراد مسلمان ہیں ورنہ بی جے پی کے اقلیتی کنونشن کا آغاز قرآن شریف کی تلاوت کے بجائے دیگر اقلیتوں کی مذہبی کتابوں کے اشلوک کے اچارن سے ہونا چاہئے تھا۔ بہر حال کنونشن ہوا اور اس میں مرلی منوہر جوشی، کلیان سنگھ، کلراج مشرا اور عارف بیگ سمیت کئی لیڈروں نے تقریریں کیں۔ سب کی تقریروں کا محور مسلمانوں کی خوشامد رہا۔ حالانکہ بی جے پی "مسلم خوشامد" یا "مسلم تشٹی کرن" کے خلاف ہے لیکن جب معاملہ ووٹ کا آجائے اور ایسی صورت میں کہ جب یہ طے ہوجائے کہ مسلم ووٹ کے بغیر اقتدار نہیں مل سکتا تو بی جے پی جیسی پارٹی کے لوگ کچھ بھی کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ قارئین اس سے واقف ہوں گے کہ بی جے پی کس طرح مسلمانوں کو بہلانے اور پھسلانے کا کام کررہی ہے۔ ملی ٹائمز میں آپ نے وہ رپورٹ ضرور پڑھی ہوگی۔ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ الیکشن کمیشن کی میٹنگ میں کس طرح بی جے پی نے رمضان میں الیکشن نہ کرانے کی پرزور وکالت کی تھی۔

بی جے پی اقلیت نوازی کی مخالف ہے لیکن ستم ظریفی بلکہ مضحکہ خیزی دیکھئے کہ اسی بی جے پی نے اقلیتی سیل بھی بنا رکھا ہے۔ اور ایک مسلم لیڈر یعنی عارف بیگ کو اس کا صدر بنایا ہے۔ اقلیتی سیل کا قیام کئی سال قبل بمبئی میں ہوا تھا اور یہ اس کا پہلا کنونشن تھا۔ ظاہر ہے اب تک بی جے پی چونکہ مسلم ووٹ کی سیاست نہیں کررہی تھی

> حالانکہ بی جے پی "مسلم خوشامد" کے خلاف ہے لیکن جب معاملہ ووٹ کا آجائے اور ایسی صورت میں کہ جب یہ طے ہوجائے کہ مسلم ووٹ کے بغیر اقتدار نہیں مل سکتا تو بی جے پی جیسی پارٹی کے لوگ کچھ بھی کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ قرآن شریف کی تلاوت بھی کروانے لگتے ہیں۔

اس لئے اسے اس کنونشن کی ضرورت محسوس نہیں ہورہی تھی۔ ضرورت محسوس ہوئی تو کنونشن بھی کیا گیا اور وہ بھی مسلم یونیورسٹی کے شہر علیگڑھ میں۔ عارف بیگ نے مسلمانوں کے لئے یہ انکشاف کیا کہ بی جے پی کے ہندوتو سے مراد مسلم دشمنی نہیں بلکہ اس ملک کے تمام شہریوں کو ساتھ لے کر چلنے سے ہے۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس قسم کے کنونشن ملک کے دوسرے حصوں میں بھی منعقد کئے جائیں گے۔

بی جے پی کے سابق صدر مرلی منوہر جوشی نے کہا کہ ہم مسلمانوں کے دشمن نہیں ہیں اور نہ ہی مسلمان اس ملک کے دشمن ہیں۔ البتہ انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ بی جے پی پر ازسرنو نظر ڈالیں اور ایسی پارٹی کو ووٹ دیں جو جھوٹے وعدے نہیں کرتی۔ انہوں نے کانگریس پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ وہ آزادی کے بعد سے ہی مسلمانوں کا استحصال کرتی اور بی جے پی کو مسلمانوں کے دشمن کے طور پر پیش کرتی رہی ہے حالانکہ بی جے پی مسلم دشمن نہیں ہے۔ کانگریس نے مسلمانوں کے مسائل کی طرف کبھی دھیان نہیں دیا اور کانگریس ہی نے مسلمانوں میں "مسلم اقلیت" کی ذہنیت پیدا کی۔ انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ "تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان ہمیشہ اس ملک کے قومی دھارے کا ایک حصہ رہے ہیں۔" لیکن ان کے دل کا چور فورا بول پڑا اور انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس قومی دھارے یا مین اسٹریم میں اپنا اہم اور بھرپور رول ادا کریں۔ گویا

باقی ص۸ پر

چیچنیا میں امن اور جنگ کے درمیان آنکھ مچولی

روسیوں کی وعدہ خلافی سے جنگ کسی بھی وقت بھڑک سکتی ہے

بظاہر لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ بالآخر روس نے چیچنیا کے مجاہدین کی کمر توڑ دی ہے اور جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہے۔ اکا دکا حملے دراصل ان مجاہدین کی طرف سے ہوتے ہیں جو اب بھی روسی فوجی قبضہ کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ لیکن ایسے مجاہدین کی تعداد بہت کم ہے۔ بہرحال حقیقت واقعہ اس عام تصور کے برعکس یہ ہے کہ چیچنیا پر روس کا قبضہ اس کے لئے بہت مشکل ثابت ہو رہا ہے۔

چیچنیا کے دارالحکومت گروزنی پر قبضہ اور صدر دودائیف کی فوج کو پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور کر کے روسیوں نے انہیں امن مذاکرات کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ امن مذاکرات پہلے ہی کی طرح اب بھی جاری ہیں اور ٹوٹ بھی رہے ہیں۔ گذشتہ دسمبر سے آج تک اتنی بار امن معاہدے ہوئے اور ٹوٹے ہیں کہ ایک عام قاری اب یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ چیچنیا میں ہو کیا رہا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ روس کے خلاف چیچن مجاہدین کی جدوجہد مختلف انداز سے اب بھی جاری ہے۔

گذشتہ دسمبر میں روس نے چیچنیا کی آزادی کو کچلنے کے لئے اس چھوٹی سی ریاست پر حملہ کر دیا تھا۔ اس وقت سے اب تک اٹھارہ سو روسی فوجی ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس جنگ میں ہلاک شدہ چیچن شہریوں کی تعداد شاید کسی نے گننے کی زحمت ہی نہیں کی۔ یوں تو کہنے کو اس وقت چیچنیا میں جنگ بندی نافذ ہے اور فریقین کے درمیان مذاکرات ہو رہے ہیں لیکن چیچن مجاہدین اب بھی گھات لگا کر حملے کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں مجاہدین نے روسی فوجی افسر جنرل اناتولی رومانوف پر حملہ کیا تھا جس میں وہ شدید زخمی ہو گئے۔ رومانوف اس وقت مقبوضہ چیچنیا میں سب سے اہم اور بڑے فوجی افسر تھے اور مجموعی طور سے تمام معاملات کے انچارج بھی۔ اس سے قبل وہ نائب وزیر داخلہ تھے اور گذشتہ جولائی میں جو جنگ بندی ہوئی تھی اس میں ان کا بڑا رول تھا۔ رومانوف سے قبل صدر یلتسن کے خصوصی ایلچی لولیگ بوف پر بھی ناکام حملہ ہو چکا ہے۔ اس حملے کے بعد رومانوف نے کہا تھا کہ "یہاں کی فضا بارود سے بھری پڑی ہے اور ماچس کی ایک تیلی آگ لگانے کے لئے کافی ہے۔

بہت سے صحافیوں اور نامہ نگاروں نے حال ہی میں گروزنی اور آس پاس کے علاقوں کا دورہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اس وقت صورت حال کیا ہے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اکثر چیچن نہ صرف روسیوں سے نفرت کرتے ہیں بلکہ اس کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ ان کا ملک چھوڑ دیں۔ گذشتہ ماہ یعنی ستمبر میں سیکڑوں چیچن عورتوں نے گروزنی میں روسی قبضہ کے خلاف مظاہرہ کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ روسی فوج فی الفور واپس بلائی جائے۔ ان صحافیوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ پہاڑوں میں پناہ گزیں صدر دودائیف کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

مگر اس مقبولیت کے باوجود گروزنی اور اس کے آس پاس مسلح بغاوت کی علامتیں نہیں پائی جاتیں، اکا دکا حملے ہوتے ہیں لیکن نوے فیصد سے زیادہ لوگ روسیوں کے خلاف ہیں۔ اکثر مظاہرے کرتے اور ان کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بہتوں نے یہ بھی کہا کہ اگر صدر دودائیف جنگ دوبارہ شروع کرتے ہیں تو وہ وطن کی آزادی کے لئے ہتھیار اٹھالیں گے۔

روسیوں نے گروزنی کے عوام کا دل جیتنے کے لئے اس تباہ شدہ شہر کی از سر نو تعمیر بھی شروع کر دی ہے۔ بعض مقامات پر مسمار گھروں کی مرمت ہوتے ہوئے صحافیوں نے دیکھا بھی۔ لیکن جب عوام سے انہوں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہیں اندازہ ہوا کہ روسی جنرلوں اور سیاستدانوں نے امدادی رقم کا بڑا حصہ کرپٹ کاروباری لوگوں کی مدد سے ہتھیا لیا ہے۔ ایک عورت نے بڑے پھوہڑ انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "اگر یہ افسران ایسے ہی موٹے ہوتے رہے تو ایک دن ہمیں انہیں بچوں کی پیدائش کے لئے اسپتال لے جانا پڑے گا۔"

صحافیوں اور نامہ نگاروں کو ایک اور اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ قریب قریب ہر چیچن شہری کے پاس بیان کرنے کے لئے ایک المیہ کہانی ہے۔ انہیں کوئی بھی ایسا نہیں ملا جس کا کوئی عزیز یا پڑوسی جنگ میں شہید یا زخمی نہ ہوا ہو۔

صحافیوں نے ایک ایسی لڑکی سے بھی ملاقات کی جو اس حملے میں بچ گئی تھی اور آج روسی درندگی کی چشم دید گواہ ہے۔ اس شہر میں روسیوں کے خلاف مظاہرہ روزانہ کا معمول بن گیا ہے۔ روسیوں کی اس درندگی کو دیکھ کر بہت سارے وہ لوگ جنہوں نے اسٹالن کا دور دیکھا ہے اب یہ کہنے لگے ہیں کہ ایک بار پھر انہیں ان کے وطن سے نکال کر قزاخستان بھیجنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ واضح رہے کہ اسٹالن نے چیچن مجاہدین کی کمر توڑنے کے لئے یہاں کے شہریوں کو زبردستی یہاں سے نکال کر قزاخستان میں بسانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

جنرل رومانوف پر قاتلانہ حملے کے بعد صدر یلتسن کے ایک ترجمان نے کہا کہ امن مذاکرات جاری رہیں گے۔ لیکن اب روسیوں کا رویہ پہلے سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ پہلے انہوں نے گاؤں کی حفاظت کی خاطر 25 لوگوں کو مسلح رہنے کی اجازت دے دی تھی اور صرف بڑے ہتھیاروں کو جمع کرا رہے تھے۔ اب وہ اصرار کر رہے ہیں کہ یہ لوگ بھی ہتھیار جمع کریں۔ لیکن چیچن شہریوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اب اکثر لوگ بڑے ہتھیاروں کو جمع کرنے کے بجائے انہیں بچانے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہو چلا ہے کہ جنگ کسی بھی وقت دوبارہ بھڑک سکتی ہے۔ انہیں اب یہ یقین بھی ہو چلا ہے کہ روسی اپنے وعدے کے مطابق مذاکرات کے ذریعے انہیں آزادی دینے سے رہے۔ اس نظریے پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں روزانہ اضافہ ہو رہا ہے کہ آزادی طاقت کے بل پر ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ربانی اور احمد شاہ مسعود کی گرفت ڈھیلی، کابل پر طالبان کا قبضہ؟

بالآخر طالبان نے کابل پر حملہ کرنے کی اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اس سے قبل انہوں نے برہان الدین ربانی سے کابل کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا جو ظاہر ہے ٹھکرا دیا گیا تھا۔ طالبان کا حملہ کابل کے جنوب اور مغرب سے ہوا۔ جنوب میں خاص طور سے انہیں اہم کامیابیاں ملیں۔ حملے کے دوسرے دن انہوں نے فوجی اعتبار سے اہم شہر چہار آسیاب پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ بعض فوجی اعتبار سے دوسرے اہم مقامات پر بھی اس وقت ان کا قبضہ ہو گیا جب برہان الدین ربانی کے بعض فوجی کمانڈر مقابلہ کرنے کے بجائے طالبان سے آملے۔ اس وقت مغرب اور جنوب دونوں طرف سے طالبان کابل کے کافی قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ کہنا ابھی مشکل ہے کہ وہ کب کابل کو فتح کر سکیں گے یا یہ کہ پچھلی بار کی طرح اس بار بھی ان کا حملہ ناکام ہو جائے گا۔ لیکن اتنی بات طے ہے کہ پہلی بار برہان الدین ربانی اور احمد شاہ مسعود کی سرکاری فوجوں کو زبردست حملے کا سامنا ہے۔

تادم تحریر طالبان اور سرکاری فوجیں باہم برسرپیکار ہیں۔ کابل ریڈیو نے بعض اہم فوجی ٹھکانوں کو طالبان سے چھین لینے کا دعوی کیا جس کی آزاد ذرائع سے تصدیق نہیں ہو سکی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طالبان نے حملے کے بعد دو دنوں کے اندر جو کامیابی حاصل کی تھی یا جہاں تک آگے بڑھے تھے وہیں رک گئے ہیں۔ دونوں طرف سے فضائیہ، راکٹ اور دوسرے ہتھیاروں کا کھل کر استعمال ہو رہا ہے جس سے پہلے ہی سے تباہ کابل شہر مزید تباہ ہو رہا ہے۔ کابل کے بہت سارے باشندے شہر چھوڑ کر محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئے ہیں۔ طالبان کے حملے سے فائدہ اٹھا کر جنرل رشید

دوستم نے بھی حملہ کر کے ربانی کے کنٹرول والے بعض علاقے چھین لئے ہیں۔ یقینی طور پر دوستم کا طالبان سے کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

طالبان کے تازہ حملے سے کابل اور اسلام آباد کے خراب تعلقات مزید خراب ہو گئے ہیں۔ کابل نے الزام لگایا ہے کہ پاکستان کے فوجی مشیر اور افراد طالبان کی مدد کر رہے ہیں۔ اسلام آباد نے اس کی تردید کرتے ہوئے جوابی الزام کے طور پر کہا ہے کہ ربانی حکومت کو ہندوستان سے مدد مل رہی ہے۔ طالبان، حکمت یار اور دوسرے افغان گروہ بھی ربانی پر ہندوستان سے مدد لینے کا الزام عائد کرتے رہے ہیں۔ پاکستان کے الزام کے بعد ایک ہندوستانی ترجمان نے کہا کہ ہماری فضائیہ کے بعض طیارے غذا اور دوا وغیرہ لے کر کابل کے ہوائی اڈے پر اترے ہیں لیکن ہم کسی قسم کی فوجی مدد ربانی کو نہیں فراہم کر رہے ہیں۔ بہرحال پاکستان میں اور افغانستان کے حکومت مخالف عناصر میں سے کوئی بھی ہندوستان کی اس وضاحت پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہے۔ وزیر مملکت برائے خارجہ سلمان خورشید نے سنٹرل ایشیا کے ممالک سے افغانستان میں مداخلت کی اپیل کر کے دہلی کے لئے صورت حال کو مزید خراب کر دیا ہے۔ یہ بیان اور فضائیہ کے ذریعہ دوا و غذا کی امداد کے اعتراف کے بعد افغانستان کے ربانی مخالف عناصر ہندوستان کے خلاف اپنا رویہ مزید سخت کر دیں گے۔ افغانستان کی تازہ جنگ میں فتح کس کی ہوتی ہے یہ کہنا ابھی مشکل ہے۔ لیکن ایک بات طے ہے کہ اس وقت احمد شاہ مسعود اور ربانی کی کابل پر گرفت کافی ڈھیلی ہے۔ اگر مسعود یہ جنگ ہار جاتے ہیں تو یہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی شکست ہوگی اور شاید اس کے بعد وہ وادی پنج شیر میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

فلپائنی خادمہ سارہ بالبگان کو متحدہ عرب امارات کی عدالت سے پھانسی کی سزا

"اس نے میرے ساتھ زنا بالجبر کیا اس لئے میں نے اسے قتل کردیا"

فلپائن ایک غریب ملک ہے، خصوصاً وہاں کے مسلمانوں کی حالت سب سے زیادہ ناگفتہ بہ ہے۔ غربت کے مارے غریب فلپائنی تلاش روزگار میں اکثر دوسرے ممالک کا سفر کرتے ہیں۔ اس میدان میں فلپائنی خواتین بھی کافی آگے ہیں۔ ان کی اکثریت خلیجی ممالک میں گھریلو خادماؤں کے طور پر کام کرتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے ان میں سے کتنوں ہی کی زندگیاں اجیرن ہوجاتی ہیں کیونکہ ان کے مالکان ان کے ساتھ بدسلوکی یہاں تک کہ زنا بالجبر بھی کرتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے دفاع میں کوئی انتہائی قدم اٹھا بیٹھتی ہے تو غیر ملک میں ہونے کے ناطے وہ کورٹ میں اچھی طرح اپنا دفاع بھی نہیں کرپاتی۔ آج کل ایسے ہی حالات سے گزر رہی ہے سارہ بالبگان، ایک مسلمان فلپائنی گھریلو خادمہ جسے متحدہ عرب امارات کی ایک اسلامی کورٹ نے اپنے مالک کو قتل کرنے کے جرم میں پھانسی کی سزا سنائی ہے۔

سارا بالبگان کے والدین اس وقت ابو ظبی میں ہیں تاکہ اپنی بیٹی کی جان بچا سکیں۔ ان کی اس کوشش میں فلپائنی سفارت خانہ، فلپائن کے صدر، اپوزیشن لیڈر اور دوسرے سیاستداں بھی شامل ہیں۔ چند ماہ قبل سنگاپور میں ایک فلپائنی خادمہ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تھا جس سے پورے فلپائن میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہاں کی حکومت ایسا کوئی دوسرا صدمہ برداشت کرنے کے لئے تیار نظر نہیں آتی۔

سارہ بالبگان کے والدین کو یقین ہے کہ ان کی بیٹی معصوم ہے۔ سارہ کی ماں بائی بالبگان، باپ عبدالکریم اور سب سے چھوٹی بہن، چار سالہ سمرہ اس وقت متحدہ عرب امارات میں ہیں۔ ان کی مدد کے لئے اسلامی قوانین کے ایک فلپائنی ماہر عبدالوحید بالدین بھی ہیں۔ بالدین فلپائنی صدر فیدل راموس کے خصوصی ایلچی بھی ہیں۔

قتل کے جرم میں سارہ بالبگان کو پہلے سات سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ مگر فیدل راموس کی اپیل پر شیخ زائد بن سلطان نے دوبارہ مقدمہ چلانے کی ہدایت دی اور اس بار کورٹ نے اسے پھانسی کی سزا دے دی۔ سارہ پر الزام ہے کہ اس نے اپنے بوڑھے مالک کو منصوبہ بند طریقے سے قتل کیا ہے جبکہ اس کا کہنا ہے کہ اس نے زنا بالجبر سے خود کو بچانے کے لئے چاقو سے اس پر دیوانہ وار حملہ کردیا۔ بوڑھے عرب کے جسم پر چاقوؤں کے 36 نشان پائے گئے تھے۔ سارہ کا کہنا ہے کہ بوڑھے مالک نے پہلے اسے بہ رضا و رغبت اس کی جنسی خواہش پوری کرنے کی درخواست کی۔ مگر جب اس نے انکار کردیا تو اس نے کئی بار اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ زبردستی کے ایک ایسے ہی موقع پر سارہ آپے سے باہر ہوگئی اور اپنے بوڑھے مالک کو قتل کردیا۔

سارہ بالبگان سزا سننے کے بعد عدالت سے جیل لے جائی جارہی ہے

سارہ سات بھائی بہنوں میں سب سے بڑی ہے۔ اس کا باپ کریم بے روزگار اور غریب ہونے کی وجہ سے اس کی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ سارہ نے چھوٹے بھائی بہنوں کی تعلیم جاری رکھنے کے لئے خلیج میں نوکری کرنے کا فیصلہ کیا۔ لگتا ہے منیلا کے فراڈ کرنے والوں نے اس کی عمر 27 سال بتا کر اسے خلیج میں نوکری دلوادی۔ مگر یہ نوکری اب اس کے لئے ڈراؤنا خواب بن کر رہ گئی ہے۔ ابھی تک وہ اپنے گھر والوں کی کوئی مدد نہیں کرسکی۔ کیوں کہ اپنی تنخواہ سے وہ نوکری دلانے والوں کا قرض اتار رہی تھی۔

> قتل کے جرم میں سارہ بالبگان کو پہلے سات سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ مگر فیدل راموس کی اپیل پر شیخ زائد بن سلطان نے دوبارہ مقدمہ چلانے کی ہدایت دی اور اس بار کورٹ نے اسے پھانسی کی سزا دے دی۔ سارہ کا کہنا ہے کہ بوڑھے مالک نے پہلے اسے بہ رضا و رغبت اس کی جنسی خواہش پوری کرنے کی درخواست کی۔ مگر جب اس نے انکار کردیا تو اس نے کئی بار اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ زبردستی کے ایک ایسے ہی موقع پر سارہ آپے سے باہر ہوگئی اور اپنے بوڑھے مالک کو قتل کردیا۔

سارہ کے والدین کا کہنا ہے کہ اس کی عمر صرف سولہ سال ہے لیکن امارات کے حکام اس کے کاغذات کی رو سے اس کی عمر 27 سال بتاتے ہیں۔ فلپائنی سفارت خانے کا کہنا ہے کہ منیلا میں ایسے گروپ ہیں جو غلط کاغذات تیار کر کے لوگوں کو خلیج میں نوکری دلاتے ہیں۔ سردست مقتول کے ورثاء نے قصاص سے انکار کردیا ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ شیخ زائد کی اپیل کے بعد وہ اس پر راضی ہوجائیں۔

دریں اثناء فلپائن میں ایک ہنگامہ برپا ہے۔ کتنے ہی لوگ اپنی حکومت پر الزام لگا رہے ہیں کہ غربت کو ختم کرنے میں اس کی ناکامی کی وجہ سے ان کی جوان بیٹیوں کو باہر ممالک میں نوکری کرنا پڑتا ہے جہاں ان کی عزت و آبرو کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے۔ ایک اپوزیشن لیڈر نے عوامی جذبات کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ سارہ بالبگان کی جان بچانے کے لئے فلپائن میں قید مسلم ممالک کے سارے قیدیوں کو رہا کردیا جائے۔ سردست تین پاکستانی اور دو ایرانی فلپائنی جیلوں میں موجود ہیں۔ اس اپوزیشن لیڈر کا کہنا ہے کہ اگرچہ امارات کا کوئی قیدی ہمارے یہاں نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے اس اقدام کا اثر ہونا چاہئے کیونکہ اسلام ایسی قومی سرحدوں سے بالاتر ہے۔

اب ہم بھی الیکشن لڑیں گے اور اپنے حقوق کا دفاع پارلیمنٹ میں کریں گے

1917 کے اکتوبر انقلاب کے بعد روسی مسلمانوں کا پہلا سیاسی قدم

بالعموم لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ مسلمان صرف سابق سوویت یونین کی ان مسلم ریاستوں میں آباد ہیں جو اب آزاد ہوچکی ہیں۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ خود روس کے اندر دو کروڑ سے زائد مسلمان پائے جاتے ہیں۔ یہ مسلمان پیدائشی طور پر روسی شہری، روسی سماج کا حصہ اور وہاں کے سیاسی و معاشی نظام کے تابع ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے مدت دراز سے وہ اپنے بہت سارے حقوق سے محروم ہیں۔ ہر سطح پر ان کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں دوسرے روسیوں سے کہیں پیچھے ہیں۔

محرومی اور پسماندگی کی کوکھ سے روسی مسلمانوں میں اس احساس نے جنم لیا ہے کہ جب تک وہ سیاست میں حصہ لے کر پالیسی ساز اداروں تک نہیں پہنچتے، انہیں ان کے حقوق نہیں مل سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہاں کے مسلمانوں نے خود کو سیاسی سطح پر منظم کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

> محرومی اور پسماندگی کی کوکھ سے روسی مسلمانوں میں اس احساس نے جنم لیا ہے کہ جب تک وہ سیاست میں حصہ لے کر پالیسی ساز اداروں تک نہیں پہنچتے، انہیں ان کے حقوق نہیں مل سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہاں کے مسلمانوں نے خود کو سیاسی سطح پر منظم کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ دسمبر کے پارلیمانی انتخابات میں وہ خود اپنے امیدوار کھڑے کریں گے۔ وہ اپنے حقوق کا دفاع ملک کے سب سے بڑے فورم پارلیمنٹ میں کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ اقدام 1917ء کے اکتوبر انقلاب کے بعد پہلا سیاسی قدم ہوگا۔ روسی زاروں کی حکمرانی کے دور میں مسلمانوں کی نمائندگی سرکاری اداروں میں بھرپور تھی۔ لیکن موجودہ روسی پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی بمشکل 2.3 فیصد ہے۔ اور جہاں تک حکومت کا سوال ہے تو اس میں ان کی نمائندگی بالکل بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ایک ترجمان نادر خچیلیوف نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے روسی مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ "ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ساتھ کم حیثیت انسانوں جیسا سلوک کیا جائے۔ اور ہم یہ محسوس کرنا نہیں چاہتے کہ ہم مستقل روسی قبضہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

روسی مسلمانوں کو وہاں کے دستور کے مطابق روسی سیاست میں حصہ لینے کا پورا حق حاصل ہے۔ وہ روسی شہری ہیں اور روسی سماج میں ان کی جڑیں کافی گہری ہیں۔ اس لئے یہ ان کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ کریں یا اس ضمن میں حکومت کے سامنے مطالبات رکھیں۔ انہیں اس بات کا بھی حق حاصل ہے کہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے خود کو سیاسی طور پر منظم بھی کریں۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا روس کے موجودہ حالات کے پیش نظر روسی مسلمانوں کا اپنی سیاسی تنظیم کے بارے میں فیصلہ درست ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ جلد بازی میں ایک ایسا قدم اٹھانے جا رہے ہیں جو مستقبل میں ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ بلاشبہ ان کا یہ اقدام روس کے مراعات یافتہ طبقہ کو پسند نہ آئے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انتہا پسندانہ روسی قومیت کے علمبردار مسلمانوں کے اس اقدام کو ان کے خلاف عام روسیوں کے جذبات بھڑکانے میں استعمال کریں۔ ظاہر ہے ایسی بھی صورت حال میں نقصان مسلمانوں کا ہوگا۔

مسلمان روس میں بلاشبہ دو کروڑ ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ وہ ساٹھ نسلی و تہذیبی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کی مجموعی تعداد روسی آبادی کا دس فیصد سے بھی کم ہے۔ بعض علاقوں میں مسلمانوں کو اکثریت ہونے کا بھی فائدہ ہے۔ لیکن ان فوائد کے ساتھ بعض اندیشے بھی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کا سیاسی سطح پر منظم ہونے کا فیصلہ ان کے اپنے ہی مفادات کے خلاف پڑے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی بھی فیصلہ سے قبل اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرلیا جائے۔ بلاشبہ جمہوری نظام میں سیاسی تنظیم کی اہمیت اور اس کے فوائد سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ سیاسی شعور کی کمی کی وجہ سے ایسے بعض اقدامات مفید ہونے کے بجائے ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں۔ امید کی جانی چاہئے کہ روسی مسلمان عقل و فہم سے کام لے کر ایک ایسا فیصلہ کریں گے جو بحیثیت مجموعی ان کے حق میں بہتر ثابت ہو۔

کیا جعفر شریف کو "حق گوئی" کی سزا دی گئی ہے

مسٹر سی کے جعفر شریف تین مہینے قبل اپنے دل کا آپریشن کرانے جب غیر ملکی دورے پر گئے تو وہ مرکزی وزیر برائے ریلوے تھے لیکن جب شفایاب ہو کر واپس آئے تو وزیر بے قلمدان ہو گئے۔ صحت ملی تو وزارت چھن گئی۔ کچھ لوگ اسے وزیراعظم کی ستم ظریفی کہیں گے لیکن سیاسی اتار چڑھاؤ سے واقف لوگوں کے نزدیک یہ کوئی انہونی یا غیر متوقع بات نہیں ہے۔ بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ چونکا دینے والی بات ہوتی۔ راؤ وزارت سے ایک مسلم وزیر کم ہو گیا لیکن اس سے راؤ کو کوئی تشویش نہیں اطمینان حاصل ہوا ہے۔ کیونکہ یہ کام تو وہ بہت پہلے کر لینا چاہتے تھے۔ اب راؤ حکومت میں ایک نہیں دو وزیر بے قلمدان ہو گئے ہیں۔ ان سے قبل بستر علالت پر پڑے ہوئے راجہ دنیش سنگھ سے بھی ذمہ داریاں چھین لی گئیں سہولیات نہیں۔

کئی مہینے قبل جب وزیراعظم نے کچھ مرکزی وزراء کے سامنے یہ پیش کش کی کہ وہ وزارت سے ہٹ کر کانگریس تنظیم کا کام کریں تو ان لوگوں نے بالواسطہ طور پر انکار کر دیا۔ ان میں جعفر شریف کے علاوہ غلام نبی آزاد اور بلرام جاکھڑ بھی تھے۔ حالانکہ اس سے قبل ان لوگوں نے کہا تھا کہ نرسمہا راؤ جہاں بھی خدمت لینا چاہیں گے ہم حاضر ہیں۔ لیکن جب خدمت کا موقع آیا تو وزارتی سہولیات سے دستبردار ہونے کو کوئی تیار نہ ہوا۔ آزاد اور جاکھڑ نے دبی زبان میں اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ آزاد نے تو چوان مخالف مہم میں شامل ہو کر اپنی ناراضگی جتائی۔ لیکن جعفر شریف نے کہا کہ اگر انہیں وزارت سے برطرف کیا گیا تو ملک کا ایک بھی مسلمان کانگریس کو ووٹ نہیں دے گا۔ جب اس پر ہنگامہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ بات انہوں نے نہیں کہی ہے۔ البتہ چونکہ وہ بیمار ہیں اس لئے ابھی تنظیم کا کام کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ گذشتہ دنوں جب نرسمہا راؤ نے اپنی وزارت میں توسیع کی اور مزید تین مسلمانوں کو شامل کیا تو یہ امکان تھا کہ جعفر شریف کو ہٹا دیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا، وہ بچ گئے۔

جعفر شریف کی گذشتہ چند سالوں کی سیاست بالخصوص بابری مسجد کی شہادت سے لے کر اب تک کی سیاست کا جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اور ان کے رفقاء و حامیوں نے ہمیشہ ان کی امیج ایک مسلم سیاستداں یا مسلم قائد کی بنانے کی کوشش کی ہے۔ بابری مسجد اور ٹاڈا کے مسئلے پر اشتہار بازیوں کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ جعفر شریف ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ حالانکہ وہ تروپتی کے مندر میں حاضری دے کر اپنے سیکولر ہونے کا ثبوت دے چکے تھے۔ بابری مسجد کی شہادت کے موقع پر بتایا جاتا ہے کہ جعفر شریف کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ استعفی نامہ جیب میں رکھ کر گھوم رہے تھے۔ میٹنگوں میں جیب میں ہاتھ بھی ڈالتے لیکن کبھی بھی استعفی نامہ باہر نہیں نکلا۔ البتہ زبانی دھمکی وہ دیتے رہے۔ پھر ٹاڈا کے مسئلے پر بھی وہ کچھ بولے۔ ایک بار ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر ٹاڈا نہیں ہٹایا گیا تو حکومت گر جائے گی۔ ان کے حامیوں نے اسے راؤ حکومت کو جعفر شریف کی دھمکی سے تعبیر کیا حالانکہ کچھ جانکاروں کا کہنا ہے کہ انہوں نے دھمکی نہیں دی تھی بلکہ اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ بہرحال اسے مسلمانوں میں شریف کی امیج بہتر بنانے میں استعمال کیا گیا۔

> جعفر شریف کو چاہئیے کہ وہ ایسی سیاست کریں کہ جس سے ان کا خواہ کوئی بھلا نہ ہو لیکن امت کو ضرور فائدہ پہنچے۔ ایسی سیاست میں اگر ان کو دنیاوی نقصان بھی ہوتا ہے تو اس کا اجر انہیں آخرت میں ضرور ملے گا

گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ کے مسئلے پر جب قومی یکجہتی کونسل کی اسٹینڈنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی تو اس میں جعفر شریف اور ایس بی چوان میں زبانی تکرار ہوئی۔ جعفر شریف نے کہا کہ بابری مسجد کے انہدام کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ اس پر چوان نے کہا کہ آپ یہ کیوں فراموش کر دیتے ہیں کہ آپ بھی اسی حکومت کے ایک ذمہ دار فرد ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس پر جعفر شریف خاموش ہو گئے۔

بہرحال وہ دل کا بائی پاس آپریشن کروا کر واپس آئے اور کرناٹک سے جلد ہی دہلی واپس آ گئے کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ وہ دہلی آئے تو ان کے حامیوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وزیراعظم بھی ان کی خیریت دریافت کرنے ان کی رہائش گاہ گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس موقع پر دونوں خوشگوار انداز میں ملے۔ راؤ نے ان کی صحت کے تئیں نیک خواہشات کا اظہار کیا اور انہیں مزید آرام کا مشورہ دیا۔ اس پر جعفر شریف نے کہا کہ وہ آرام نہیں کام کرنا چاہتے ہیں۔ راؤ نے پھر کہا کہ نہیں ابھی آپ آرام کیجئے۔ شام کو صدر جمہوریہ کی جانب سے ایک مکتوب آتا ہے کہ وزیراعظم کے مشورے پر آپ سے وزارت کی ذمہ داری واپس لی جا رہی ہے۔ البتہ وزیر کی سہولیات آپ کو حاصل رہیں گی گویا اب وہ وزیر بے قلمدان ہو گئے

اس موقع پر ان کے اہل حلقہ اور حامیوں نے کہا کہ ایک مسلم قائد ہونے اور بابری مسجد و ٹاڈا جیسے مسائل اٹھانے کی وجہ سے انہیں سزا دی گئی ہے۔ لیکن دیکھا جائے تو جعفر شریف کی بے بسی بھی مسلمانوں کی بے بسی کی مانند ہے۔ جس طرح مسلمان اپنے خلاف ہونے والی کارروائیوں پر کچھ نہیں کر پاتے اسی طرح لگتا ہے جعفر شریف بھی کچھ نہیں کر پائیں گے۔ اور پھر اس وقت اگر وہ کچھ کرتے بھی ہیں تو اس سے ان کا اور ملت کا کیا بھلا ہونے والا ہے۔ ہاں کچھ لوگ انہیں "شہید" بنا کر مسلمانوں میں پیش کریں گے جبکہ مسلمان بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ شہادت ہے یا سیاسی اتار چڑھاؤ۔ ان کی وزارت کے دوران ایسے بیشتر مواقع آئے جب وہ کچھ اقدام کرنے کی پوزیشن میں تھے جس سے انہیں بھی فائدہ پہنچتا اور ممکن ہے ملت کو بھی پہنچ جاتا۔ لیکن یہ خاموش رہے۔ اب جبکہ وزارت چھن گئی تو میدان میں آنے سے کیا فائدہ ؟

جعفر شریف صاحب کو بھی اپنے سیاسی کیریئر پر غور کرنا چاہئے کہ آخر اب تک جو سیاست وہ کرتے رہے ہیں اس سے ان کا اور ملت کا کتنا بھلا ہوا ان کا جو بھی ہوا ہو لیکن اگر ملت کو وہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے تو کیسے قائد اور کیسی قیادت۔ اب اگر وہ کچھ کرنا چاہ رہے ہیں تو انہیں ملت کے مفاد کا پہلو سامنے رکھنا چاہئے۔ انہیں ایسی سیاست کرنی چاہئے جس سے ان کا خواہ کوئی بھلا نہ ہو لیکن امت کو ضرور فائدہ پہنچے، ایسی سیاست میں اگر انہیں دنیاوی نقصان بھی ہوتا ہے تو اس کا اجر انہیں آخرت میں ملے گا۔ لیکن اگر وہ اب بھی سابقہ سیاست کرنا چاہتے ہیں تو ان کے حامیوں کو چاہئے کہ وہ یہ پروپیگنڈہ بند کر دیں کہ ایک مسلم قائد ہونے کی وجہ سے انہیں قربانی کا بکرا بنا کر شہید کر دیا گیا۔

●

انعام حاصل کریں

قارئین حضرات کو یہ اطلاع دیتے ہوئے ہم بے حد خوشی محسوس کر رہے ہیں کہ گذشتہ اگست میں ملی ٹائمز انٹرنیشنل نے اپنی پہلی سالگرہ منائی ہے۔ اس مبارک موقع پر ہمارے پاس قارئین حضرات کے بے شمار خطوط آ رہے ہیں۔ ہم ان کی حوصلہ افزائی کیلئے بے حد شکر گزار ہیں اور یہ امر واقعہ ہے کہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل نے اپنے جنم سے ہی قارئین کی ترجیحات اور ضرورتوں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اب جبکہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل کو شائع ہوتے ہوئے ایک سال گزر چکا ہے۔ ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں درج ذیل کوپن پر کر کے ارسال فرمائیں تاکہ ہم ملی ٹائمز انٹرنیشنل کو ان کے مشوروں کی روشنی میں مزید خوبصورت اور مفید بنا سکیں۔

آپ بھی ان پانچ انعام یافتگان میں سے ایک ہو سکتے ہیں جسے ملی ٹائمز انٹرنیشنل قرعہ اندازی کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کرے گا جو اس کوپن کو پر کر کے ہمیں 10 دسمبر 1995 تک ارسال کریں گے۔ رزلٹ جنوری 1996 کے دوسرے شمارے میں شائع کیا جائے گا۔

☆ نام ____________________

☆ پتہ ____________________

____

☆ ٹیلیفون ____________________

☆ قومیت ________ پیشہ ________ عمر ________ جنس ________

☆ آپ ملی ٹائمز انٹرنیشنل کا مطالعہ کب سے کر رہے ہیں۔؟ ایک سال سے ☐ چند ماہ سے ☐

☆ کیا آپ ملی ٹائمز انٹرنیشنل کے سالانہ خریدار ہیں؟ ہاں ☐ نہیں ☐

☆ اگر ہاں ہیں تو کتنے دنوں سے؟ ____________

☆ اگر نہیں تو پھر آپ ملی ٹائمز انٹرنیشنل کا مطالعہ کیسے کرتے ہیں؟

☆ ایجنٹ سے خرید کر ☐ دوستوں سے مانگ کر ☐ لائبریری میں ☐

☆ ملی ٹائمز انٹرنیشنل کا ایک مسلسل قاری ہونے کے ناطے آپ بتائیں کہ اخبار کا کونسا کالم آپ کو بے حد پسند ہے۔؟ اپنی پسند کے مطابق باکس میں ترتیب وار نمبر لکھیں۔

ملکی سیاست ☐ سرورق کی کہانی ☐ مغرب میں اسلام ☐ مسلم دنیا ☐
معاصر صحافت ☐ تعمیر سیرت ☐ صحت کی دنیا ☐ نئی کتابیں ☐
فقہی سوالات ☐ آپ کی الجھنیں ☐ رپورٹیں و مراسلات ☐ آخری صفحہ ☐

☆ کیا ملی ٹائمز انٹرنیشنل میں آپ کی ترجیحات کے تمام مضامین مل جاتے ہیں۔؟ ہاں ☐ نہیں ☐

☆ اگر نہیں تو کن کن کالموں کی ضرورت ہے ترجیحات بیان کریں۔ ____________

____

☆ اگر آپ ملی ٹائمز انٹرنیشنل کے مسلسل قاری ہیں تو کیا آپ نے اس میں ایک سال کے درمیان کوئی تبدیلی محسوس کی ہے؟ ہاں ☐ نہیں ☐

☆ اگر ہاں تو براہ کرم تبدیلی کی نشان دہی کریں۔ ____________

____

☆ آپ کے خیال میں ملی ٹائمز میں مزید اور کیا چیزیں شامل ہونی چاہئیں جن سے اخبار اور زیادہ دلچسپ، معلومات انگیز اور قابل مطالعہ ہو سکے۔

اگر ملی ٹائمز انٹرنیشنل کو مفید ترین بنانے کے لئے اور بھی تجاویز اور مشورے آپ کے پاس ہیں تو نیچے درج فرمائیں یا مزید صفحات استعمال کریں۔

____
____
____
____
____

پاکستانی سیاست پر جنرل ضیاء کا سایہ

فوجیوں کے ذریعے اسلامی انقلاب کی کوشش

گذشتہ دنوں اچانک یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ پاکستانی حکومت نے اپنے ملک کے 36 فوجی افسران کو گرفتار کرلیا ہے۔ ان پر الزام ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کی "سازش" رچ رہے تھے۔ وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے اس سلسلے میں مزید تفصیلات بتانے سے انکار کردیا۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ ابھی تحقیقات ہورہی ہیں اور حقائق سامنے آنے پر لوگوں کو آگاہ کردیا جائے گا۔ گرفتار شدگان میں میجر جنرل ظہیرالاسلام عباسی بھی ہیں جو فوجی ہیڈ کوارٹر میں انفینٹری کے ڈائرکٹر جنرل کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کے علاوہ ایک برگیڈیر جنرل ، ایک کرنل اور تین درجن فوجی افسران بھی ہیں ، ان لوگوں کو بلوچستان کی راجدھانی کوئٹہ لے جایا گیا ہے۔ اس سنسنی خیز انکشاف کا ایک اور حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ یہ گرفتاریاں 26 ستمبر کو ہوئی ہیں جبکہ اس کا اعلان 15 اکتوبر کو کیا گیا۔

میجر جنرل ظہیر الاسلام عباسی اس سے قبل دہلی میں واقع پاکستانی سفارت خانہ میں ملٹری اتاشی تھے جنہیں ہندوستان نے مبینہ طور پر جاسوسی میں ملوث پائے جانے پر ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر یہاں سے نکال دیا تھا۔ پاکستان کے ایک انگریزی روزنامہ "فرنٹیئر پوسٹ" کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ اسلام آباد کے "تنظیم اسلامی" گروپ کے سربراہ مسٹر امین منہاس اس سے قبل ہی برطانیہ چلے گئے۔ واضح رہے کہ ان پر پبلک آرڈر آرڈی نینس کے تحت الزامات عائد ہیں۔ اخبار نے ان کی پرواز کو ان گرفتاریوں سے جوڑا ہے۔ امین منہاس سابق فوجی میجر اور اب ایک اسلامی اسکالر ہیں۔

پاکستانی فوج کا اقتدار میں زبردست رول ہے۔ جو اس کے اعتماد میں رہتا ہے وہی حکومت کرتا ہے ورنہ دودھ کی مکھی کی مانند نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ بے نظیر بھٹو جب پہلی بار وزیراعظم بنی تھیں تو فوج سے دوستانہ تعلقات بنانے میں ناکامی کے سبب جلد ہی اقتدار سے بے دخل کردی گئی تھیں۔ دوبارہ برسراقتدار آنے پر انہوں نے فوج سے مستحکم تعلقات بنائے اور اس کی کئی شرطیں تسلیم کیں۔ اب وہ رفتہ رفتہ اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں لگی ہیں اور 36 افسران کی گرفتاری سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پوزیشن مضبوط بنالی ہے۔

> **اسلامی ذہن کے افراد جس کوشش میں لگے ہوئے تھے بے نظیر بھٹو نے ان کوششوں کو ناکام بنا دیا انہیں شاید اس بات کا خوف تھا کہ ان کے والد کے زمانے کی تاریخ پھر دوہرائی جانے والی ہے لہذا بے نظیر نے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کر ڈالیں لیکن کیا اس طرح وہ اسلامی انقلاب کا راستہ روک پانے میں کامیاب ہو جائیں گی؟**

پاکستان کی تاریخ میں جنرل ضیاء الحق کا دور کئی لحاظ سے ایک مثالی دور رہا ہے انہوں نے پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی ملک بنانے کا خواب دیکھا تھا اور اس کے لئے جدوجہد بھی کی تھی۔ انہوں نے "نظام مصطفی" کے نام سے پاکستان میں کئی اسلامی قوانین کو رائج کیا اور ان کے دور سے سیاست اور فوج میں اسلامی ذہن کے حامل افراد کا داخلہ تیز ہوگیا۔ جنرل ضیاء الحق نے پاکستان ، افغانستان ، ایران اور سابق سوویت روس کی اسلامی مملکتوں پر مشتمل ایک اسلامی بلاک کی تشکیل کا خواب دیکھا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے فوجیوں اور سیاستدانوں کی ذہنی تربیت بھی کی تھی۔ آج پاکستانی فوج میں اسلامی ذہن کا جو عنصر نظر آرہا ہے اس کی پشت پر ضیاء الحق کے اسلامی نظریات کی کارفرمائی ہے۔ انہوں نے جس قسم کی سیاست کو پروان چڑھایا تھا اس کے اثرات تادیر قائم رہیں گے اور کسی بھی اسلام بیزار حکمراں کے لئے ان اثرات کو زائل کرنا بہت مشکل ہوگا۔ ویسے پاکستان کے قیام کا مقصد یہی تھا کہ وہاں ایک مثالی اسلامی حکومت قائم ہوگی اور پاکستان ایک ایسی اسلامی مملکت کا نام ہوگا جو پوری دنیا کے لئے آئیڈیل ہوگا۔ وہاں اللہ کی شریعت اور اللہ کا قانون نافذ ہوگا۔ پہلے مولانا سید ابوالاعلی مودودی نے اس کے لئے جدوجہد کی اور بعد میں کچھ دوسرے لوگوں نے اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ جنرل ضیاء الحق اور جماعت اسلامی پاکستان کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد کی کوششوں کو اسی سمت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ کتنی افسوسناک اور مضحکہ خیز بات ہے کہ پاکستان کا قیام جن مقاصد کی تکمیل کی خاطر ہوا تھا ، ابھی تک ان پر کوئی کام نہیں کیا گیا اور مثالی اسلامی مملکت کے قیام کا خواب ابھی بھی ادھورا ہے۔

گذشتہ انتخابات میں قاضی حسین احمد کے متحدہ اسلامی جمہوری محاذ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مقصد یہی تھا کہ اقتدار پر قبضہ کرکے مولانا مودودی اور جنرل ضیاء الحق کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کیا جائے۔ لیکن انہیں اس میں ناکامی ہوئی اور اقتدار بے نظیر بھٹو کے ہاتھوں میں آگیا۔ انہوں نے اقتدار میں آنے کے بعد ایسے عناصر کو سیاست اور فوج سے بے دخل کرنے کی منظم کوشش شروع کردی۔ حالانکہ دوسری طرف پاکستان میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا بھی مطالبہ شدت اختیار کرتا رہا اور بے نظیر کو چند مطالبات ماننے بھی پڑے۔ لیکن مجموعی طور پر بے نظیر اسلامی ذہن کے حامل افراد کو کمزور کرنے کی کوششوں میں مصروف رہیں۔

بے نظیر کی ان کوششوں کی حوصلہ افزائی امریکہ بھی کرتا رہا ہے۔ بے نظیر امریکہ کی خوشامد میں پاکستان کو ایک ماڈریٹ مسلم ملک یا بالفاظ دیگر ایک غیر اسلامی ملک بنانے کی روش پر گامزن رہی

باقی صـ۱۲ پر

گئو رکشا کے نام پر بھارت کو ہندو ریاست بنانے کا منصوبہ

رتھ یاترائیں ختم ہورہی ہیں ، گئو رکشا مہم شروع ہورہی ہے۔ یاتراؤں کے ذریعے نفرت و دشمنی ، بغض و عناد اور فرقہ واریت و فسطائیت کے جو بیج بوئے جارہے تھے ان کی فصل گئو رکشا مہم کے دوران کاٹی جائے گی۔ گئو رکشا اور گئو کشی ہندوؤں کے نزدیک انتہائی جذباتی چیز ہے ، چونکہ وہ گائے کو ماتا کہتے ہیں اس لئے اس کے ذبیحے پر پابندی عائد کرانا چاہتے ہیں ، حالانکہ گئو کشی پر چند ریاستوں کو چھوڑ کر پورے ملک میں قانونا پابندی عائد ہے لیکن ہندو احیا پسند طاقتیں اس کا آزادی کے بعد سے مسلسل استحصال کرتی چلی آرہی ہیں۔

استحصال کی یہ سیاست اب بھی زندہ ہے اور نہ صرف زندہ ہے بلکہ اس میں شدت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ آر ایس ایس ، وشو ہندو پریشد ، بی جے پی اور بجرنگ دل جیسی فسطائی طاقتیں اس استحصالی گر سے خوب واقف ہیں۔ 1996ء کے نصف اول میں عام انتخابات ہورہے ہیں اور بی جے پی جو کہ بری طرح منتشر ہورہی ہے اور اس کی طاقت بکھر رہی ہے ، دلی میں حلومت کرنے کا خواب دیکھ رہی ہے۔ تمام فسطائی طاقتیں اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ حالانکہ گجرات کی سیاست نے بی جے پی کے نیچے سے قالین کھینچ لی ہے اور بی جے پی لیڈران اوندھے منہ گر گئے ہیں وہ چونکہ ابھی عوامی میدان میں آکر عوام سے رابطہ قائم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اس لئے اس تنظیم کی دوسری بہنیں میدان میں کود پڑی ہیں اور انتخابات سے قبل ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کردینا چاہتی ہیں تاکہ الیکشن میں بی جے پی کے حق میں فضا ہموار ہوسکے۔ یہ ساری کوشش ہندوستان کو ہندو ریاست بنانے کے لئے کی جارہی ہے اور اسی کوشش کی ایک کڑی ہے گئو رکشا مہم ، بجرنگ دل نے 1996ء کو گئو رکشا کا سال قرار دیا ہے۔

بجرنگ دل کے ہاتھ میں اس مہم کی کمان ہے اور اب چونکہ اس کے لیڈر کٹیار کے بجائے جے بھان سنگھ پویا ہوگئے ہیں اس لئے اس کے

خطرناک شکل اختیار کرنے کے بھی اندیشے ہیں۔ پویا مدھیہ پردیش میں کئی پرتشدد کارروائیوں میں ملوث رہ چکے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں قبل متھرا میں شاہی عیدگاہ کے خلاف یگیہ کے انعقاد میں ان کا اہم رول تھا۔ چونکہ یہ ابھی نئے نئے بجرنگ دل کے صدر ہوئے ہیں اس لئے یہ بھی کٹیار کی مانند پرتشدد ہنگامہ آرائیاں کرکے سنگھ پریوار کی نظروں میں چڑھنا چاہتے ہیں۔ ان کی بھی زبان وہی ہے جو کٹیار کی ہے اور یہ بھی مسلم دشمن سرگرمیوں میں پیش پیش رہنے والے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق گئو رکشا مہم انہی کے ذہن کی اپج ہے اور یہ مہم سنگھ پریوار کو اتنی پسند آئی ہے کہ پورے ملک میں اس کے نام پر ہنگامہ آرائی کرنے میں اس نے پورا تعاون دینے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اس مہم میں ہندو نوجوانوں کو اسلحوں کی تربیت دی جائے گی اور ان کے ذہن میں مسلم دشمنی کے زہریلے انجکشن لگائے جائیں گے تاکہ کسی بھی مرحلہ پر وہ

باقی صـ۱۱ پر

مسلمانوں کا مفاد محاذ آرائی میں نہیں منصفانہ تعاون میں ہے

انتخابات میں ہمیں جذباتیت سے نہیں عقل و ہوش سے کام لینا چاہیے

تحریر ۔ منصور آغا

ہندوستان جیسے بڑے جمہوری ملک میں پارلیمانی چناؤ بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر ایک صاف ستھری، انصاف پسند اور مستحکم حکومت کا انتخاب عمل میں نہیں آتا تو بڑے پیمانے پر انتشار اور اقتصادی انحطاط کا اندیشہ رہتا ہے۔ انتشار اور معاشی بدحالی سے جہاں خود غرضوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے وہیں بیرونی مداخلت اور استحصال کا بھی دروازہ کھلتا ہے جس کی زد بلا امتیاز مذہب و ملت و خطہ ملک کے تمام باشندوں پر پڑتی ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ووٹ کا استعمال جذبات، وقتی مصلحتوں اور طبقاتی و گروہی عصبیت سے بلند ہوکر نہایت ہوشمندی کے ساتھ کیا جائے۔ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں یہ کشتی طوفان سے گھرے گی تو ہم سب کے لئے مصیبت ہوگی اور اگر امن و عافیت اور استحکام و خوش حالی کا ماحول رہا تو فروعی و دیگر مسائل کے حل کی راہیں بھی نکل آئیں گی۔ چنانچہ میرے نزدیک اولین اہمیت اسی پہلو کی دی جانی چاہیے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس امن و عافیت، خوش حالی اور استحکام کی ہم مسلمانوں کے لئے اس صورت میں کوئی وقعت نہ ہوگی اگر ہمارا دین و ایمان اور ہماری اسلامی زندگی خطرے میں پڑجائے۔ اس ملک کا ایک ایک باشندہ اگر دنیاوی دولت سے مالا مال ہوجائے لیکن ہم مسلمان دینی تقاضوں سے بے بہرہ، دینی حمیت سے عاری، خوف خدا اور محبت رسول سے بے نیاز ہوجائیں تو ظاہر ہے ہماری نظر میں ایسی خوش حالی، سلامتی اور ترقی کی کوئی وقعت نہیں۔ چنانچہ اپنے ووٹ کا فیصلہ کرتے ہوئے دوسری، مگر نہایت اہم چیز جو ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے وہ یہی ہے کہ ہمارے غلط فیصلہ کی وجہ سے کوئی ایسی طاقت پہنچنے نہ پائے جو ہماری اسلامی زندگی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ ہم یا تو مجبور محض ہوکر رہ جائیں یا دین سے ہماری بے توجہی میں اور اضافہ ہوجائے اور ہماری آئندہ نسلیں دولت ایمان سے محروم ہوجائیں۔

> مگر نہایت اہم چیز جو ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے وہ یہی ہے کہ ہمارے غلط فیصلہ کی وجہ سے کوئی ایسی طاقت پہنچنے نہ پائے جو ہماری اسلامی زندگی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ ہم مجبور محض ہوکر رہ جائیں

چنانچہ ہماری ترجیح امن و استحکام اور دینی زندگی کا تحفظ ہونا چاہیے۔ ان مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی ہمیں برادران ملت کی ذہن سازی کرنی چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہم اس ملک میں اقلیت میں ہیں، چنانچہ تنہا ہماری کوششیں کافی نہ ہوں گی بلکہ ہمیں ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنے ہم وطنوں کو بھی اپنا ہم نوا اور معاون بنانا ہوگا۔ ہمیں ان کو یہ سمجھانا ہوگا کہ اس ملک کا مفاد ایسی یکجہتی میں ہے جس میں ملک کے تمام باشندوں کو اطمینان اور فراغت حاصل ہو۔ اس ملک کی یکجہتی اس کی کثیر رنگی ثقافت کے تحفظ میں ہے، کسی ایک ثقافت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش سے ملک کا اتحاد ممکن نہیں بلکہ اس سے مزید انتشار پیدا ہوگا۔ اب جب تک کہ مسلمان اپنی جگہ مطمئن اور محفوظ نہ ہوں، اور ہندو اپنی جگہ نہ محسوس کرتے ہوں کہ مسلمان ان کے حریف اور دشمن نہیں بلکہ اس ملک کی طاقت ہیں اس وقت تک اتحاد و یکجہتی اور قومی فارغ البالی کے مقاصد کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ ملک و قوم اور خود مسلمانوں کا مفاد محاذ آرائی اور مقابلہ آرائی میں نہیں ہے بلکہ منصفانہ تعاون اور ارتباط میں ہے۔ اور اپنی انتخابی حکمت عملی طے کرتے ہوئے ہمیں اس ضرورت کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ اگر ہم اپنا کوئی الگ محاذ بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو اس سے فائدہ پہنچنے کے بجائے نقصان ہی ہوگا اس ملک کا ماحول ہمارے لئے مزید خراب ہوگا۔ انتخابات کے وقت اکثر ہم یہ نعرہ لگاتے ہیں۔ "مسلمانو ایک ہوجاؤ" اس جذباتی نعرے کے نتیجہ میں مسلمان تو ایک ہوتے نہیں، بلکہ مسلمان مخالف ضرور ایک ہوجاتے ہیں اور ان عناصر کو طاقت مل جاتی ہے جن کی نظروں میں ہمارا ملی وجود کھٹکتا ہے، چنانچہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا نعرہ لگائے بغیر ہمیں حکمت اور تدبر کے ساتھ صرف ذہن سازی کا کام کرنا چاہیے جس میں اخبارات و رسائل اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔

ان کوششوں کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ہر شخص کو، خصوصاً طالع آزما افراد کو یہ سمجھانا ممکن نہیں کہ وہ اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کو وسیع تر ملی اور قومی مفادات کے لئے قربان کردے۔ بدقسمتی سے اس معاملہ میں ہماری ملت کا ریکارڈ بڑا ہی خراب رہا ہے۔ عقل و خرد پر جذباتیت اس قدر جلد غالب آجاتی ہے کہ ہم اندھے ہوجاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال حال ہی میں اس وقت کی ہے جب بعض سیاسی شعبدہ بازوں نے بابری مسجد سانحہ کے بعد مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والے اتحاد کی فضا کو پاش پاش کرنے کے لئے ریزرویشن کا شگوفہ چھوڑا۔ اس ملک میں آباد مسلمانوں میں سید، مغل، پٹھان اور عربی النسل شیخ برادریوں کی آبادی کل مسلم آبادی کی بمشکل نصف فیصد ہے۔ مسلمانوں میں ایک اقلیت کا تناسب اس تناسب سے بے حد کم ہے جو اس ملک کی کل آبادی میں مسلمانوں کا ہے۔ اور جس کی بنیاد پر ہم مراعات کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے دیگر اقوام کے قلم چلانے والوں نے اپنی ہی ہم مذہب اس حقیر اقلیت کے خلاف سب و شتم کے وہ تیر چلائے کہ الاماں و الحفیظ، اور اس سب و شتم میں اتنا تک لحاظ نہ کیا کہ سید آل رسول ہیں، جن سے محبت و احترام جزو ایمان ہے۔ انگریزی دور میں اور اس سے پہلے کے ادوار میں جو لوگ زمیندار تھے آج ان کی اولادیں بھی افلاس زدہ ہیں۔ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اس واویلا کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکلا کہ خود مسلمانوں میں ہی اختلافات رونما ہوئے اور ایک دوسرے کے اوپر کیچڑ اچھالی گئی۔

بظاہر اس صورت حال کا حوالہ زیر غور انتخابی سوال سے غیر متعلق نظر آتا ہے، لیکن اس سے ہمیں خود اپنی اس قوم کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جس کے بہبود کا عزم لے کر، ہم ذہنی کسرت کر رہے ہیں کہ مسلمان پارلیمانی چناؤ میں کیا کریں۔

سردست ملک کی سیاسی فضا صاف نہیں ہے۔ ہندوستان کی بے اصولی سیاست میں نہیں کہا جاسکتا کہ کل کون کس کے ساتھ ہوگا، اور کون کس سے الگ ہوجائے گا۔ چنانچہ سردست نہ تو یہ ممکن ہوگا اور نہ مناسب کہ ہم کسی خاص پارٹی کو ترجیح دیں۔ البتہ اگر ہم مسلمانوں کو صحیح انداز میں سوچنے کی بات سمجھاسکے تو ممکن ہے وقت پر کوئی بہتر نتیجہ نکل آئے۔ ہماری ملت کی ایک بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اپنی قیادت سے بدظن ہے۔ اس میں بہت کچھ ہاتھ ہمارے دانشوروں کا ہے جو اپنا اعتبار قائم کر نہیں پاتے اور دوسروں کے خلاف زہر افشانی کرکرکے ان کے اعتبار کو ضرور مجروح کردیتے ہیں۔ ہمارا عمومی شکوہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی لیڈر ہی نہیں رہا، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کمی لیڈروں کی نہیں ہے بلکہ خود ہمارے اندر سمع و طاعت کے جذبے کی کمی ہے۔ کمی بے لوث و بے غرض قائدین کی نہیں ہے بلکہ قصور خود ہماری خود غرضیوں اور انا کے تسکین کی ہوس کی ہے۔ انہی خود غرضیوں کی وجہ سے دوسرے ہمیں آسانی کے ساتھ استعمال کرلیتے ہیں۔ ہمیں سیڑھی بناکر اقتدار پر قابض ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم صبر و تحمل، دانشمندی اور اجتماعی مفادات کو پیش نظر رکھیں تو یہ مشکل نہیں کہ آج جو لوگ ہمیں سیڑھی بناکر اقتدار پر قابض ہوتے ہیں وہ ہمیں اپنے ساتھ اقتدار میں شریک کرنے پر مجبور ہوجائیں۔

بقیہ: — آغاز قرآن شریف سے

ابھی تک مسلمان کوئی رول ادا نہیں کررہے تھے۔

جہاں تک جوشی جی کے اس الزام کا تعلق ہے کہ کانگریس مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتی، تو اس سلسلے میں سچائی تو ہے کہ کیا کانگریس، کیا بی جے پی اور کیا دوسری سیاسی جماعتیں کوئی بھی مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی نہیں رکھتی اور ہر پارٹی الیکشن کے موقع پر مسلمانوں کا استحصال کرتی ہے۔ اب بی جے پی کے اقلیتی کنونشن کو کیا کہیں گے۔ ابھی تک اسے اس کنونشن کے انعقاد کا خیال کیوں نہیں آیا تھا اور اگر انہیں مسلم مسائل سے دلچسپی ہے تو انہیں حل کرنے کے لئے ان کے پاس کیا فارمولہ ہے یا بی جے پی کے مرکزی لیڈروں نے اس سلسلے میں کیا طے کیا ہے۔ ان کے پاس کیا لائحہ عمل ہے۔ تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ بی جے پی کی سیاست مسلم دشمنی کی بنیاد پر چلتی ہے۔ مسلم دشمنی ترک کردے تو اس کا سیاسی قلعہ زمین بوس ہوجائے گا۔ یہ رتھ یاتراؤں کا سلسلہ کہاں جاکے ملتا ہے یا گئو رکشا کے نام پر فرقہ واریت پھیلانے کی مہم کس بات کا اشارہ کرتی ہے۔ فسادات میں بی جے پی اور سنگھ پریوار کے دوسرے ممبران کے رول کون سی کہانی سناتے ہیں؟ یہ سب مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی چالیں نہیں تو اور کیا ہیں۔ ذرا بی جے پی کی سیاسی مضحکہ خیزی ملاحظہ فرمائیں۔ ایک طرف تو وہ اقلیتی کنونشن کرتی ہے اور دوسری طرف جن ریاستوں میں وہ برسر اقتدار ہے وہاں سے اقلیتی کمیشنوں کا خاتمہ کر رہی ہے۔ کیا یہ مسلمانوں کو بے وقوف بنانا نہیں ہے۔

دراصل یہ بی جے پی کی سیاسی مجبوری ہے ورنہ کہاں اس جیسی فسطائی جماعت اور کہاں اقلیتی کنونشن میں مسلم نوازی۔ عام انتخابات سر پر ہیں۔ بی جے پی میں اندرونی رسہ کشی زوروں پر ہے اور انتشار و بکھراؤ کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ اس لئے وہ کسی بھی قیمت پر مرکزی اقتدار کو اپنی مٹھی میں کرنا چاہتی ہے۔ ایک طرف تو رتھ یاتراؤں اور گئو رکشا مہم کے نام پر مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف نفرت و دشمنی کا ٹانک پلانے کی کوشش ہورہی ہے اور دوسری طرف اقلیتی کنونشن کرکے مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھانسنے کی جدوجہد ہورہی ہے۔ لیکن مسلمان خوب سمجھتے ہیں کہ ان سیاسی کرتبوں کا مقصد کیا ہے اور ایسے مواقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بی جے پی کے اقلیتی کنونشن میں مسلمانوں نے شرکت نہیں کی۔

بقیہ :- دلت حکومت کا خاتمہ

کی امیج خراب ہوگئی تھی اور مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس سے کٹ کر ایس پی کی طرف چلا گیا تھا۔

اس تازہ ترین صورت حال سے اگر کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو بلاشبہ وہ سابق وزیر اعلی ملائم سنگھ یادو ہیں۔ حالانکہ ان کی حکومت چلی گئی اور ان کے کچھ ممبران کو بی ایس پی نے توڑ لیا ان کے آدمیوں کے خلاف مایاوتی حکومت نے سخت قدم اٹھایا اور پارٹی ممبران کی تعداد میں اضافہ کی ان کی حکمت عملی دھری کی دھری رہ گئی لیکن اب جو حالات سامنے آئے ہیں ان میں ملائم سنگھ کی ناکامیوں کا ازالہ ہوجائے گا۔ اگر یہ حکومت چلتی رہتی تو یقینا انہیں نقصان ہوتا لیکن اب بدلے ہوئے حالات میں ملائم کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں۔ ملائم سنگھ نے تین محاذ پر کام کرنا شروع کردیا ہے۔ ایک تو عوامی رابطہ مہم، دوسرے دلت مسلم اتحاد کو ازسرنو مستحکم کرنا اور تیسرے خود کو اترپردیش میں اقتدار کے سب سے بڑے دعویدار کی حیثیت سے پیش کرنا۔ ملائم اس میں کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔

فرانسیسی حکومت کے خلاف مسلم انقلابیوں کا طبل جنگ

خالد کلکال کے قتل سے پہلے اور بعد کے دھماکوں اور پر تشدد واقعات کا جائزہ

آج فرانس نہ صرف اپنے فرانسیسی اور غیر فرانسیسی شہریوں کے روزگار اور دوسرے معاشی مسائل سے دوچار ہے بلکہ اسے اپنی ناقص خارجہ پالیسی کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑ رہا ہے۔ الجزائر میں اسلامی نجات محاذ کی مخالفت اور ظالم فوجی و شہری حکمرانوں کی خود غرضانہ حمایت نے آج اس کے لئے ایک مسئلہ پیدا کردیا ہے۔ کیونکہ فرانس کی اس ناقص خارجہ پالیسی کے خلاف احتجاج کے طور پر مسلم انقلابیوں نے خود فرانس کے اندر حملے شروع کردئے ہیں۔

24 سالہ خالد کلکال الجزائری نسل کا مسلمان تھا جسے حال ہی میں فرنچ پولیس نے ہلاک کردیا ہے۔ الجزائر میں موجود اسلامی گروپوں نے کلکال اور اس کے گروپ اور ان کی مسلح سرگرمیوں سے خود کو الگ کرلیا تھا۔ لیکن اس کی موت کے بعد پھر یہ الزام شدت سے ابھر کر سامنے آیا ہے کہ فرانس اپنے یہاں آباد الجزائری باشندوں کو منظم انداز میں پریشان کررہا ہے۔

خالد کلکال کے بارے میں پولیس کو شبہ تھا کہ حالیہ بم دھماکوں کے پیچھے اسی کا ہاتھ ہے۔ پولیس کا دعوی ہے کہ ایک نہ پھٹنے والے بم پر کلکال کی انگلیوں کے نشانات موجود تھے۔ اس کے بعد سے پولیس اس کے پیچھے لگی اور بالآخر ایک مقابلے میں اسے مار گرایا۔ اس پولیس مقابلے کی ویڈیو فلم جب ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی تو اکثر فرانسیسیوں نے راحت کی سانس لی اور خیال ظاہر کیا کہ ایک "خطرناک دہشت گرد" کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے خیال میں پولیس نے ایک بار پھر ایک مسلمان کو اس طرح کاٹ ڈالا جیسے وہ جانور ہو۔

پولیس کو واضح ہدایات تھیں کہ کلکال کو زندہ گرفتار کیا جائے لیکن پولیس کے مطابق انہیں اپنے دفاع میں کلکال پر گولیاں چلانی پڑیں کیوں کہ گھر جانے کے بعد اس نے خودکار ہتھیار سے پولیس پر گولیاں چلادی تھیں۔

کلکال کی موت کے بعد فرانس کے دوسرے بڑے شہر لیان میں مسلم نوجوانوں نے زبردست احتجاج کیا اور پولیس کی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے تشدد پر اتر آئے۔ لگاتار تین رات تک پولیس سے ٹکراؤ جاری رہا۔ ان نوجوانوں نے پولیس پر پتھراؤ کیا۔ 60 کے قریب کاریں جلادیں، کھڑکیاں توڑ دیں اور بس اسٹیشنوں کو نقصان پہنچایا۔ تین راتوں کے لگاتار تشدد کے بعد پولیس نے لیان کے 19 مسلم نوجوانوں کو گرفتار کرلیا۔

خالد کی موت سے قبل فرانس میں کئی بم دھماکے ہوچکے تھے۔ اس شبہ کے بعد کہ دھماکوں کے پیچھے الجزائری اسلام پسندوں کا ہاتھ ہے پیرس اور فرانس کے دوسرے شہروں میں مسلمانوں بالخصوص الجزائری باشندوں کے خلاف پولیس نے طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی ہیں جس سے انہیں باعزت طور سے راستہ چلنا بھی دشوار ہوگیا ہے۔

فرانس میں کل تقریبا پچاس لاکھ مسلمان آباد ہیں جن میں بیس لاکھ کے قریب الجزائری ہیں۔ ان میں سے بھی چالیس ہزار کے قریب صرف پیرس میں آباد ہیں۔ آج کل یہ لوگ پولیس کا خاص نشانہ ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی سوالات کے لئے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ کسی کو بھی راستے پر چلتے ہوئے روک کر اس سے لوگوں کے سامنے سوالات کئے جاسکتے ہیں۔ پولیس کی ان زیادتیوں کا نتیجہ ہے کہ اکثر لوگ اب اپنے گھروں میں بند رہتے ہیں اور صرف اسی وقت نکلتے ہیں جب واقعتاً کوئی کام ہو۔ وہ علاقے یا ہوٹل میں، جہاں عرب اکثر جمع ہو کر اپنی شامیں گزارتے تھے اب سنسان ہیں۔

فرانس میں کل تقریبا پچاس لاکھ مسلمان آباد ہیں جن میں بیس لاکھ کے قریب الجزائری ہیں۔ ان میں سے بھی چالیس ہزار کے قریب صرف پیرس میں آباد ہیں۔ آج کل یہ لوگ پولیس کا خاص نشانہ ہیں

کلکال کی موت کے بعد فرانس کے دوسرے بڑے شہر لیان میں مسلم نوجوانوں نے زبردست احتجاج کیا اور پولیس کی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے تشدد پر اتر آئے۔ لگاتار تین رات تک پولیس سے ٹکراؤ جاری رہا۔ ان نوجوانوں نے پولیس پر پتھراؤ کیا۔ 60 کے قریب کاریں جلادیں، کھڑکیاں توڑدیں اور بس اسٹیشنوں کو نقصان پہنچایا۔

21 سالہ طالبہ سلیمہ کہتی ہیں کہ وہ جیسے ہی پیرس کے ایک ریلوے اسٹیشن سے باہر آئیں پولیس نے انہیں روک لیا۔ یہ تین پولیس والے تھے۔ وہ تیزی سے سلیمہ کی طرف چلتے ہوئے آئے اور بھری مجلس میں لوگوں کے سامنے پندرہ منٹ تک اس سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔ "وہ تیزی سے میری طرف بڑھے۔ انہوں نے اپنی بندوقوں اور ڈنڈوں کے ساتھ مجھے گھیر لیا۔ میں چھپنا چاہتی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے میرا انتخاب کیوں کیا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ کسی فرنچ حسینہ کے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے۔"

لیکن فرانس کی اکثریت پولیس کے ان اقدامات کی حمایت کرتی ہے۔ 1986ء میں بعض ایرانیوں کو ایسے ہی بم دھماکوں کا ذمہ دار ٹھہرا کر بھی مسلمانوں کے ساتھ پولیس نے ایسا ہی سلوک کیا تھا۔ مگر اس بار کارروائی بڑے پیمانے پر ہے۔

پولیس کی اس کارروائی سے الجزائری نسل کے اور دوسرے مسلمانوں کی تجارت پر اثر پڑا ہے۔ پہلے بہت سے الجزائری فرانس خریداری کے لئے آتے تھے مگر اب انہیں ویزا نہیں ملتا۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تین لاکھ کے قریب وہ الجزائری جو تجارت میں مصروف ہیں آج کل کافی پریشان ہیں۔

فرانسیسی پولیس کا کہنا ہے کہ ان کارروائیوں کا مقصد فرانس کی حفاظت اور دفاع کرنا ہے نہ کہ کسی کو تنگ کرنا۔ لیکن فرانس کے الجزائری باشندوں کا کہنا ہے کہ پولیس کے ان اقدامات کے نتیجہ میں ہر کوئی مشتبہ ہوگیا ہے۔ آپ ائرپورٹ پر اتریں، ریلوے یا بس اسٹیشن پر ہوں، ہر جگہ آپ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ پولیس آپ کو کہیں سے بھی اٹھا سکتی ہے اور کہیں بھی آپ کو روک کر آپ سے سوالات کرسکتی ہے۔

الجزائری نسل کے ایک ماہر سماجیات جو فرانس کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، کا کہنا ہے کہ "الجزائر میں بنیاد پرستی ایک سماجی و سیاسی تحریک ہے جس کا فرانس میں رہنے والے الجزائری باشندوں میں سے کچھ پر اثر پڑسکتا ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ 95 فیصد یہاں امن سے رہنا چاہتے ہیں اور کسی بھی حال میں بنیاد پرستوں کی آواز پر لبیک نہیں کہہ سکتے۔"

لیکن فرانسیسی پولیس، بعض صحافی اور کچھ دانشور اب بھی یہی تصور کرتے ہیں کہ اسلام پسند الجزائری، مقامی مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کی تلقین کرنے والے کسی فتوے پر عمل پیرا ہیں۔ مگر اس "موہوم اور خیالی خطرے" کو پولیس جس انداز سے حل کررہی ہے، اندیشہ ہے کہ مستقبل میں اس کے مزید بھیانک نتائج برآمد ہوں گے۔

مغرب کے قلب میں اشاعت دین کا ایک اہم سرچشمہ

ایڈنبرا برطانیہ کے صوبہ اسکاٹ لینڈ کی راجدھانی ہے۔ یہاں کی آبادی چھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کے اطراف بہت سے قصبات اور قریے آباد ہیں۔ بنیادی طور پر یہ ایک تجارتی شہر ہے جہاں بین الاقوامی کمپنیاں اور تجارتی ادارے بکثرت ملتے ہیں۔

تجارتی مرکز ہونے کی بناء پر ہر سال ہزاروں مسلمان تاجر اپنے بزنس پروجیکٹ لے کر ایڈنبرا کا رخ کرتے ہیں۔ اس وقت یہاں پر بیس ہزار مسلمان خاندان آباد ہیں۔ یہ تعداد ان مسلم طلباء کی تعداد سے الگ ہے جو تدریسی سال کے آغاز میں مختلف یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کے تحت یہاں پر مسلمانوں اور اسلامی معاشروں کے مسائل کو اہمیت دینے اور اسلامی اخوت کے فروغ میں دلچسپی رکھنے والے برادران کی ایک جماعت وجود میں آئی اور انہوں نے دہائیوں پہلے اس سرزمین پر لگائے ہوئے اسلام کے پودے کو چھتنار درخت کی شکل دینے کی جدوجہد کی۔ ان کی کوششوں کا مقصد یہاں آباد ہونے والے مسلمانوں کے لئے ایک ایسے ادارے کا قیام تھا جہاں وہ نہ صرف اپنے دینی شعائر ادا کرسکیں بلکہ ان کی ادائیگی کے طریقے سیکھ سکیں قرآن فہمی کی صلاحیت پیدا کرسکیں اور عربی زبان سے واقفیت بھی حاصل کرسکیں۔ اور ان تمام باتوں کے ساتھ رنج و خوشی کے تمام مواقع پر وہاں جمع ہوکر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوسکیں۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ ایڈنبرا کے مسلمانوں کی دینی سرگرمیاں دو کمروں پر مشتمل فلیٹ تک محدود تھیں۔ یہیں سے ان میں اسلام کی راہ میں قربانی دینے کا جذبہ بیدار ہوا اور اس شہر میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافے اور صنعت و تجارت کے میدانوں میں ان کی کامیاب شمولیت اور اہل خیر کی توجہ کی بنا پر ایک دینی مرکز کے قیام کے لئے مالی وسائل کی فراہمی ہوتی گئی یہاں تک کہ قلب شہر جامع مسجد اور اس سے ملحق اسلامی مرکز کی تعمیر ممکن ہوسکی۔ جیسا کہ اس طرح کے تمام منصوبوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ ایڈنبرا کے اسلامی مرکز کے تعمیری پروگرام میں بھی مالی دشواریاں ایک مرحلے پر حارج رہیں۔ اس منصوبے میں مسجد، عورتوں کے لئے نماز پڑھنے کی علیحدہ جگہ، لائبریری، لکچر ہال، شام کے اوقات میں تعلیم کی غرض سے کلاس رومز، دفتر انتظامی اور دفتر استقبالیہ۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ ایڈنبرا کے مسلمانوں کی دینی سرگرمیاں دو کمروں پر مشتمل فلیٹ تک محدود تھیں۔ یہیں سے ان میں اسلام کی راہ میں قربانی دینے کا جذبہ بیدار ہوا اور اہل خیر کی توجہ کی بنا پر ایک دینی مرکز کے قیام کے لئے مالی وسائل کی فراہمی ہوتی گئی یہاں تک کہ قلب شہر جامع مسجد اور اس سے ملحق اسلامی مرکز کی تعمیر ممکن ہوسکی۔

اس منصوبے کو چلانے کے لئے ایک بورڈ آف ٹرسٹیز کی تشکیل عمل میں آئی ہے جس کے صدر ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی سعودی وزیر امور اسلامی و اوقاف والدعوہ والارشاد ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مالیاتی کمیٹی بھی بنائی گئی اور اس کے اراکین میں لندن کے اسلامی ثقافتی مرکز کے ڈپٹی ڈائرکٹر شیخ محمد بن عبداللہ اور انجینئر عبداللہ بن صالح الحصین ہیں۔ ٹرسٹیز اور مالیاتی کمیٹی نے امید ظاہر کی ہے کہ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک راجحی کمپنی اور ان جیسے بعض دیگر اداروں نے اس منصوبے پر پیسہ لگانے کی رضامندی ظاہر کی ہے۔

ایڈنبرا کا اسلامی مرکز

مساجد اور دینی تعلیم کے اداروں اور مکاتب کے لئے اماموں اور مدرسوں کی فراہمی بھی اس دائرہ کار کا ایک حصہ ہے اس ضمن میں مختلف اسلامی تنظیمیں اپنی ضروریات سے وزارت امور اسلامی و اوقاف، رابطہ عالم اسلامی اور اس کے متعلقہ اداروں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مساعدت اور اعانت کی تیسری شکل ہے اسلامی تنظیموں اور اداروں کی مختلف سازو سامان سے امداد کرنا مثلاً مدارس و مساجد کے لئے ضروری مشینوں اور دیگر اشیاء، لاؤڈ اسپیکر، ٹائپ رائٹر، کمپیوٹر، دری، قالین وغیرہ کی فراہمی۔ چوتھی شکل جس کا دائرہ کافی وسیع ہے اس کا مقصد دینی اداروں اور مدارس میں ایسے دارالمطالعہ اور لائبریریوں کا قیام ہے جن میں اسلام کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں دستیاب ہوں۔ تمام مسلمانوں تک قرآن کے نسخے پہنچانا اسی مقصد کی ایک کڑی ہے۔

یہ ہنگامے پورے پاکستان کیلئے خطرناک

حکومت اور ایم کیو ایم ہوش کے ناخن لیں

کراچی میں قتل و غارت گری، ہڑتال پولیس کارڈ، کرفیو، فائرنگ وغیرہ اب معمول کی باتیں ہوگئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دنوں پولیس حراست میں ایم کیو ایم کے بعض کارکنوں کی ہلاکت اور اس کے جواب میں ایک پولیس مین کے رشتہ داروں کے قتل کو بھی معمول کی خبر کے طور پر لیا گیا۔ دراصل پولیس اور ایم کیو ایم کے انتہا پسند، دونوں ہی کراچی کی موجودہ خراب حالت کے لئے کچھ کم، کچھ زیادہ ذمہ دار ہیں۔ بے نظیر بھٹو اور الطاف حسین کے علاوہ پاکستان کا ہر قابل ذکر سیاستداں یا پارٹی اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ کراچی کے حالات کو خراب کرنے میں دونوں ہی کا ہاتھ ہے اگرچہ حکومت کا قصور زیادہ ہے۔

دائیں بازو کی جماعت اسلامی ہو یا ترقی پسند سیاستداں، دونوں ہی گروپ حکومت سے "سرکاری دہشت گردی" کو ختم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بھی احساس ہے کہ حکومت کی مشینری بڑے پیمانے پر کراچی کی آبادی کے بڑے حصے کے حقوق انسانی کو پامال کر رہی ہے۔

کراچی ہی نہیں بلکہ پاکستان کا ہر اہم شخص، چاہے سیاستداں ہو، صحافی ہو عالم ہو، پروفیسر ہو یا کوئی اور، سبھی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ حکومت اور ایم کیو ایم دونوں ہی مذاکرات میں سنجیدہ نہیں ہیں اگر یہ مذاکرات جاری ہیں تو محض اس لئے کہ اس کے لئے دباؤ بہت شدید ہے۔ اس غیر سنجیدگی کے لئے لوگ حکومت کو زیادہ ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کیونکہ دوسری پارٹی یعنی ایم کیو ایم کے پاس حکومت کی بہ نسبت Options کم ہیں۔
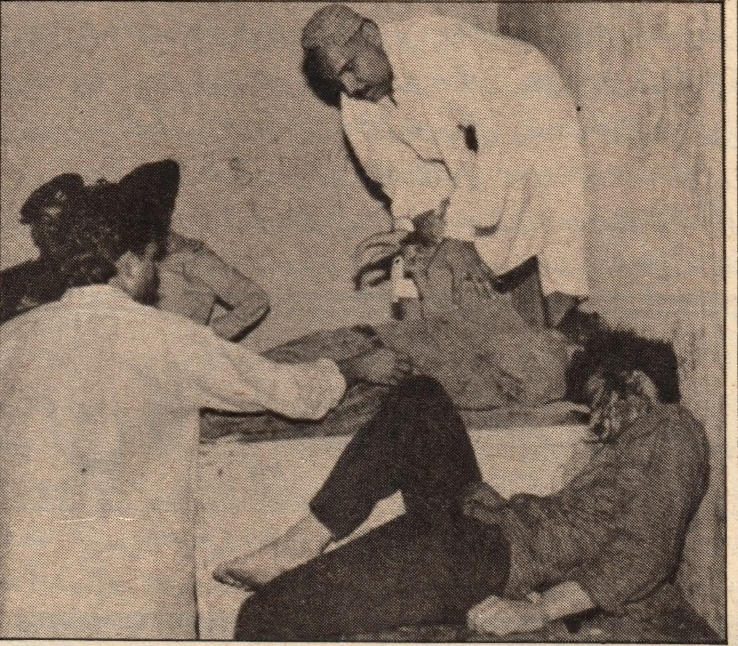
حکومت اور ایم کیو ایم کی مذاکرات میں غیر سنجیدگی کی وجہ سے کراچی کے عام شہریوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ نہ صرف عام لوگوں کی زندگی کے تحفظ کی ضمانت دینا ناممکن ہوگیا ہے بلکہ شہر کا غریب طبقہ معاشی پریشانی کا شکار ہوگیا ہے۔ ایک طرف حکومت کی پولیس اور فوج انتہائی غیر قانونی اور غیر انسانی طریقے استعمال کر رہے ہیں تو دوسری طرف ایم کیو ایم آئے دن احتجاجی ہڑتالوں کے ذریعہ شہر کی نارمل زندگی کو مفلوج کردیتی ہے جس سے روزانہ کی روٹی کمانے والوں اور چھوٹے دوکانداروں کا زبردست نقصان ہو رہا ہے۔ حکومت کی پولیس اور خاص طور سے سیکرٹ ایجنسیاں قانون کی دھجیاں بکھیرنے میں مصروف ہیں۔ مشتبہ افراد پر غیر انسانی تشدد، پولیس حراست میں قتل، جھوٹے پولیس مقابلے میں مخالفین کا قتل اور اس طرح کے دوسرے "سرکاری جرائم" کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے قانون کے احترام کا جذبہ ختم ہوتا جارہا ہے جو نہ صرف کراچی بلکہ پورے پاکستان کے لئے خطرناک ہے، کیونکہ کراچی کا مسئلہ نظم و ضبط کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ یہ ایک طرح کی بغاوت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے سنجیدہ طبقے حکومت اور ایم کیو ایم دونوں سے مذاکرات میں سنجیدہ ہونے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ حکومت پر زور ڈال رہے ہیں کہ پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ مظالم پر فوراً روک لگائی جائے۔ مزید برآں یہ لوگ ایم کیو ایم کے کارکنوں کی "دہشت گردانہ" سرگرمیوں کی بھی مذمت کر رہے ہیں اور دونوں ہی فریق سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ مذاکرات میں سنجیدگی اختیار کرکے کراچی کو مزید خون خرابے سے بچائیں۔ ان دباؤ ڈالنے والوں میں جماعت اسلامی بھی ہے اور بائیں بازو سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتیں بھی ہیں۔ بظاہر حکومت اور ایم کیو ایم دونوں پر دباؤ بہت شدید ہے لیکن یہ کہنا اب بھی مشکل ہے کہ وہ حالات سے کتنا سبق سیکھیں گے یا کس حد تک مذاکرات میں سنجیدگی اختیار کریں گے۔

پاکستان کو امریکی اسلحوں کی

کیا امریکہ وسط ایشیا میں قدم جما

گذشتہ دنوں امریکی سینٹ نے اپنے ایک ممبر مسٹر براؤن کی اس تجویز کو پاس کردیا کہ کم از کم ایک بار پریسلر ترمیمی ایکٹ کو اٹھاکر پاکستان کو وہ ہتھیار دے دئے جائیں جن کی قیمت اس نے پہلے ہی ادا کردی ہے۔ براؤن ایکٹ کا پاس ہونا بے نظیر بھٹو کی ذاتی کامیابی ہے کیونکہ گذشتہ اپریل میں اپنے دورہ امریکہ کے دوران انہوں نے پریسلر ترمیم کو پاکستان مخالف قرار دے کر اس کے خلاف زبردست مہم چھیڑی تھی۔ اس سے پاکستان کے تئیں امریکی رویے میں تبدیلی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ امریکہ پاکستانی سیاست کے منظرنامے پر نواز شریف کی بہ نسبت بے نظیر کو برسراقتدار رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ بعض وجوہ سے بے نظیر امریکہ کی نگاہ میں زیادہ اہم ہیں۔

1990ء میں امریکی صدر بش نے یہ تصدیق کرنے سے انکار کردیا تھا کہ پاکستان کے پاس نیوکلیر بم نہیں ہے۔ چنانچہ پریسلر ترمیمی ایکٹ کی رو سے پاکستان کو امریکی امداد بند ہوگئی۔ اسلام آباد نے ہمیشہ اسے ایک پاکستان مخالف اقدام قرار دیا اور کہا کہ واشنگٹن ایک ایسے دوست کے ساتھ بے وفائی کر رہا ہے جس نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا ہے۔ سینیٹر براؤن نے بھی کم و بیش اسی قسم کے دلائل کا استعمال کرکے ایک بار کے لئے پریسلر ترمیم پر عملدرآمد کردینے کا بل پاس کرایا ہے۔ اس بل کے پاس ہونے پر پاکستان کے حکمرانوں کی خوشی بجا ہے۔ لیکن نئی دہلی میں اس سے مایوسی پھیل گئی ہے۔ یہاں ارباب حکومت دو وجہ سے پریشان ہیں۔ اول یہ کہ وہ براؤن ترمیم کو پاس ہونے سے نہ روک سکے۔ دوم یہ کہ پاکستان کو امریکی فوجی امداد ملنے کے بعد علاقے میں اسلحہ کی دوڑ دوبارہ شروع ہوجائے گی جس کا براہ راست اثر ہندوستان کی کمزور معیشت پر پڑے گا۔

1947ء میں آزادی کے فوراً بعد سے پاکستانی حکمرانوں نے امریکہ سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی لیکن امریکہ نے اسلام آباد کی طرف توجہ اس وقت دی جب 1949ء میں کمیونسٹوں نے چین میں سرخ انقلاب برپا کردیا۔ اچانک امریکہ نے محسوس کیا کہ عراق اور ایران جیسے اس وقت کے امریکہ نواز ممالک کے دفاع کے لئے پاکستان وہی رول ادا کرسکتا ہے جو کبھی برطانوی ہندوستان برٹش ایمپائر مغربی ایشیائی مفادات کے لئے کرتا تھا۔ نئے حالات میں پاکستان کی اس فوجی اہمیت کو سب سے پہلے 1951ء میں محسوس کیا گیا جب مغربی ایشیا کے کسی ملک میں متعین ایک امریکی سفیر نے یہ تجویز کیا کہ برطانیہ اور امریکہ دونوں ہی اپنے مفاد کی خاطر پاکستان کو فوجی امداد دینا شروع کردیں۔ اسی تیجہ فکر کا تیجہ تھا کہ پاکستان کو سنٹو اور سیٹو جیسے معاہدات کے ذریعے ایران و عراق سے قریب لایا گیا۔

اوپر کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ امریکہ نے پاکستان کی مدد اپنے مفاد کی خاطر کی نہ کہ کسی قلبی لگاؤ کی وجہ سے۔ مگر پاکستان نے ہمیشہ اسے بے لوث محبت تصور کیا جس کا اس کو خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ کسی بھی بحران کے موقع پر امریکہ نے پاکستان کی مدد نہ کی۔ الٹا وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہوگیا۔ بہت سے پاکستانی اسلام آباد میں امریکی سفیر کو "امریکی وائسرائے" کہتے ہیں۔

بقیہ: گئو رکشا

ہندو ریاست کے قیام کی کوششوں سے پیچھے نہ ہٹیں۔ لاکھوں ہندو نوجوانوں کو اس کے لئے تیار کیا جارہا ہے اور گاؤں گاؤں جاکر انہیں ورغلانے کا کام شروع ہوگیا ہے۔

جے بھان سنگھ پویا نے آر ایس ایس کے ترجمان پانچ جنیہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اس وقت ہمارے سامنے سب سے اہم کام گایوں کے تحفظ کا ہے۔ 1996ء گئو رکشا کا سال ہے۔ بجرنگ دل کا عہد ہے کہ اس سال ہم ہندوستان میں ایسے حالات پیدا کردیں کہ گائے خاندان کا ایک بھی بچہ قصائیوں کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ یہ چیلنج بھرا کام ہے۔ اس مہم میں گائے کے ہتیاروں یعنی انہیں ذبح کرنے والوں سے ٹکراؤ سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ملک کے بیس لاکھ نوجوانوں کو گائے کے محافظ کی حیثیت سے عہد دلانے کے لئے مہم چلائی جارہی ہے۔ گذشتہ دنوں بقرعید کے موقع پر مدھیہ پردیش، گجرات اتر پردیش اور پنجاب میں بجرنگ دل نے جانچ چوکیاں لگاکر ہزاروں جانوروں کو آزاد کرایا، جہاں گایوں کے تحفظ کا قانون نہیں ہے وہاں ہم قصائیوں سے قصائیوں کی زبان میں نمٹیں گے۔"

ہندو نوجوانوں کو طاقتور بننے اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ "ہندو نوجوانوں کے طاقتور بننے کے لئے اکھاڑوں کی شروعات اور ہر ہندو تحفظ کے ذرائع سے لیس ہو اس کی کوشش کی جائے گی۔ ہندو غلام اور پٹنے والی قوم نہیں ہے۔ آزادی سے پہلے اور بعد میں مسلمانوں نے فسادات کی دھمکیاں دے کر سیاستدانوں سے ہمیشہ سودے بازی کی۔ مگر اب ہندو پٹے گا نہیں۔ اگر فسادیوں کی طرف سے کسی بھی قسم کی حرکت کی جائے گی تو ہندو نوجوان اب منہ توڑ جواب دے گا۔ اب فسادات کی دھمکیوں

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 — 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

...سپلائی۔ دوستی یا مفاد پرستی

...نے کے لئے پاکستان کو استعمال کرنا چاہتا ہے

امریکہ نے ہمیشہ اسلام آباد کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ جب بھی اسے پاکستان کی ضرورت محسوس ہوئی اس نے اس کی فوجی و معاشی مدد شروع کردی اور جیسے ہی یہ اہمیت کم ہوئی یا سرے سے رہی ہی نہیں، واشنگٹن نے یہ امداد بند کردی۔ 1950 اور 1960ء کی دہائی میں

پاکستان امریکی فوجی نقطہ نظر سے کافی اہم تھا چنانچہ اس نے پاکستان کی بھرپور فوجی و معاشی مدد کی۔ لیکن 1970ء کی دہائی میں پاکستان اپنی یہ اہمیت کھو بیٹھا اور اسے دوبارہ اسی وقت حاصل کرسکا جب روس نے افغانستان پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ افغانستان پر روسی حملے تک پاکستان امریکی امداد سے محروم رہا۔ لیکن اس واقعے کے بعد امریکی مفادات کے لئے پاکستان ایک بار پھر ضروری ہوگیا، چنانچہ پہلے صدر جمی کارٹر اور پھر صدر رونالڈ ریگن نے اسلام آباد کی دل کھول کر مدد کی۔

91 - 1990ء میں کمیونزم کے زوال اور جنگ خلیج میں امریکہ کی زبردست فتح کے بعد واشنگٹن کے نزدیک پاکستان کی فوجی اہمیت ختم ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ نیوکلیر بم بنانے کی پاکستانی کوشش کو بہانہ بناکر اس کی امداد بند کردی گئی۔

لیکن بعض وجوہ سے پاکستان امریکہ کے لئے آج پھر اہم ہوگیا ہے۔ مثلاً امریکہ اسلامی بنیاد پرستی کو غلط یا صحیح معنوں میں اپنے لئے خطرہ تصور کرنے لگا ہے۔ اسلامی انقلابی ایران ہو یا صدام کا امریکہ مخالف عراق، دونوں ہی مغربی ایشیا اور سنٹرل ایشیا میں امریکی مفادات کے لئے خطرہ ہیں۔ یہ ممالک خصوصاً ایران سنٹرل ایشیا پر کافی اثر انداز ہوسکتا ہے جو امریکی مفاد کے لئے خطرناک ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امریکہ سنٹرل ایشیا میں قدم یا تو براہ روس رکھ سکتا ہے، یا براہ ایران و عراق یا پھر پاکستان و افغانستان کے راستہ سے۔ روس اس گئی گزری حالت میں بھی امریکہ کو سنٹرل ایشیا میں کھل کھیلنے کا موقع نہیں دے سکتا۔ ایران و عراق سے سردست مدد کا امکان نہیں، اس لئے پاکستان و افغانستان کے ذریعہ ہی اب امریکہ سنٹرل ایشیا میں اپنے "مفادات" کی نگہبانی کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ ایک بار پھر پاکستان کی مدد پر آمادہ ہوگیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان افغانستان میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے کے لئے طالبان کی مدد کر رہا ہے۔

> **بعض خصوصی مفادات کے تحت امریکہ ایک بار پھر پاکستان کی فوجی مدد پر آمادہ ہوگیا ہے اس اقدام سے اس خطے میں اسلحوں کی دوڑ کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے مفادات کی خاطر دوسرے خطوں کے مفادات کو بالائے طاق رکھ دینا امریکہ کی پرانی پالیسی ہے**

مختصر یہ کہ اپنے بعض "خصوصی مفادات" کی خاطر ایک بار امریکہ پھر پاکستان کی فوجی و معاشی امداد پر آمادہ ہوگیا ہے۔ اس امریکی امداد سے بے نظیر بھٹو کا بھی وقتی طور پر مقصد پورا ہوتا نظر آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اقدام سے خطے میں اسلحے کی دوڑ شروع ہونے کے خطرے کو نظرانداز کردیا گیا ہے۔ جہاں اپنے مفاد کا سوال ہو، وہاں دوسرے ممالک یا علاقوں کے مفادات کو بالائے طاق رکھ دینا امریکہ کی پرانی پالیسی ہے۔

●

کا کھیل بند ہونا چاہئے۔ امرناتھ یاترا پر حملہ کی دھمکی کے جواب میں بجرنگ دل نے یہی کہا کہ کشمیر میں ہندو اقلیت میں ہیں مگر باقی ریاستوں میں کون ہیں یہ دیکھ لیجئے۔ بجرنگ دل ملک بھر سے جانے والے عازمین حج کو یہ سبق سکھادے گا کہ دوسروں کی مذہبی یاتراؤں پر حملوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟"

گویا اس طرح جے بھان سنگھ پویا نے خطرناک دھمکی دے دی ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ فسادات اور لوگ کرتے ہیں اور مورد الزام مسلمانوں کو ٹھہرایا جارہا ہے۔ پویا کی زبان کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ٹکراؤ اور تصادم کی بھی دھمکی دی ہے۔ اور "قصائیوں کی زبان" میں بات کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ یعنی پورے سال تصادم کا خطرہ بنا رہے گا اور فسطائی طاقتیں فرضی طریقے سے گئو کشی کا ہنگامہ کرکے تشدد کی فضا ہموار کریں گی۔ ویسے بھی یہ لوگ جب بھی کسی مسلمان کو پھانسنا چاہتے ہیں یا کسی آبادی میں لوٹ مار مچانا چاہتے ہیں تو گئوکشی کا نعرہ بلند کردیتے ہیں اور پھر لوٹ مار قتل خون کی وارداتیں شروع ہوجاتی ہیں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ بجرنگ دل نے گذشتہ مہینے بمبئی اور تھانے میں بھی ایسی واردات کی۔ جو لوگ باقاعدہ لائسنس یافتہ تھے اور جانوروں کو ذبح کرنے مذبح لے جارہے تھے انہیں نہ صرف ہراساں کیا گیا بلکہ ان سے جانوروں کو چھین لیا گیا اور ان کی رسیدیں بھی ضبط کرلی گئیں۔ پولیس نے بجرنگ دل کے چند نوجوانوں کو گرفتار کیا مگر پھر فوراً ہی چھوڑ دیا۔ ان نوجوانوں نے گائے کی آڑ میں 107 بیل اور 42 بھینسوں کو بھی ان سے چھین لیا۔

وشو ہندو پریشد نے بھی اس مہم میں شامل ہونے کا اعلان کیا ہے۔ ذرائع کے مطابق رتھ یاتراؤں کی ناکامی کے بعد پریشد کے لیڈروں کو اب گئوکشی ہی ایک ایسا حربہ نظر آتا ہے جس سے وہ ہندوؤں کے جذبات کا استحصال کرسکیں۔ پریشد کے جنرل سکریٹری اشوک سنگھل نے اعلان کیا ہے کہ ہم اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ وشو ہندو پریشد کی ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ کے بعد یہ فیصلہ لیا گیا کہ پریشد بجرنگ دل کی اس مہم کو ہر ممکن طریقے سے کامیاب بنائے گی۔ سنگھل کا کہنا ہے کہ ہم 1996ء میں "گئو ماتا کے خون کی ایک بوند بھی نہیں گرنے دیں گے۔" بجرنگ دل نے طاقت کے استعمال کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ ملک بھر کے مذبح خانوں کو نشانہ بنانے کا پلان تیار کیا گیا ہے۔ وشو ہندو پریشد کے لیڈروں کا کہنا ہے کہ ہم ان "قتل خانوں" کو بند کرا کے چھوڑیں گے۔

بہرحال ملک گیر سطح پر فسادات کی تیاری ہو رہی ہے اور گئو رکشا کے نام پر ملک کے امن و امان کو داؤ پر لگانے کا کھیل شروع ہو رہا ہے۔ گئو کشی جیسے انتہائی حساس مسئلے کی آڑ میں ہندوستان کو ہندو ریاست بنانے کے منصوبے پر عمل کیا جارہا ہے۔ ان طاقتوں کی جانب سے حکومت کی چشم پوشی حالات کو مزید نازک بنارہی ہے اور اگر انہیں اسی طرح آزادی حاصل رہی جیسی کہ تھانے اور بمبئی میں رہی ہے تو یہ پورے ملک کو فسادات کی بھٹی میں جھونک دیں گے اور ایک بار پھر فسطائیت کا بول بالا ہوجائے گا۔ ●

چھ مہینے کی سزا چھ سال میں بدل گئی

کیا ان پاکستانیوں کو رہا کرکے ان کے ملک بھیجا جائیگا؟

1987ء اور 1988ء میں چھ پاکستانی شہریوں، فدا حسین، محمد علی، احمد، اعظم علی، گونگا اور گنجا کو غیر قانونی طور پر سرحد پار کرنے کے جرم میں چھ ماہ کی سزا ہوئی تھی۔ لیکن یہ چھ ماہ کئی سال گزر جانے کے بعد بھی پورے نہیں ہوئے ہیں، اور یہ مظلوم پاکستانی ابھی تک ہندوستان کی جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔

اپریل 1995ء میں ان چھ پاکستانیوں نے پنجاب و ہریانہ ہائی کورٹ میں اپنی جیل بندی کے خلاف اپیل کی تھی۔ حال ہی میں اس اپیل پر فیصلہ دیتے ہوئے جسٹس ایچ ایس بیدی نے پنجاب اور مرکزی حکومت کو ان پاکستانی شہریوں کو فی الفور رہا کرکے پاکستان روانہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ان پاکستانیوں کے وکیل رنجن لکھن پال کی درخواست پر کورٹ نے ان میں سے ہر ایک کو غیر قانونی طور سے قید میں رکھنے کے لئے پنجاب حکومت کو 26 ہزار روپے تاوان دینے کی بھی ہدایت کی ہے۔ مزید یہ کہ ان میں سے ہر ایک کو سو روپے یومیہ ملا کرے گا اس وقت تک جب تک کہ انہیں جیل سے رہا کرکے پاکستان روانہ نہیں کردیا جاتا۔

مذکورہ چھ پاکستانی شہریوں کو شروع میں امرتسر کی ایک کورٹ نے غیر قانونی طور سے ہندوستان میں داخل ہونے کے جرم میں چھ ماہ قید کی سزا دی تھی۔ جب مدت ختم ہوگئی تو انہیں جیل حکام اور بیوروکریسی اس لئے پاکستان نہیں بھیج سکے کہ ان کے پاس جائز دستاویز یعنی پاسپورٹ وغیرہ نہیں تھے۔

قانون اور انسانیت کا تقاضا تھا کہ ان پاکستانیوں کے بارے میں دہلی میں پاکستانی سفارت خانے کو آگاہ کیا جاتا اور کہا جاتا کہ وہ ان کی واپسی کا انتظام کرے۔ مگر ہمارے حکام نے ایسا کرکے "نیک نامی" مول لینے کا خطرہ نہیں لیا۔

فدا حسین اور پانچ دوسرے پاکستانیوں کو وکیل لکھن پال کے بقول انتہائی غیر انسانی حالات میں جیل میں رکھا گیا تھا جہاں انہیں پیٹ بھر کھانے کو بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ حالت یہ ہے کہ تین قیدی، اعظم علی، گونگا اور گنجا اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ کس طرح ان پاکستانیوں کا معاملہ منظر عام پر آیا۔ کچھ دنوں قبل سکھ لیڈر سمرن جیت سنگھ مان کو اسی جیل میں رکھا گیا تھا جہاں یہ پاکستانی مقید تھے۔ مان کو جب ان کی حالت زار کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے وکیل لکھن پال کو ان کا مقدمہ لڑنے کی تلقین کی۔ لیکن لکھن پال کے لئے یہ کام آسان نہ تھا۔ ان پاکستانیوں کی اپیل کورٹ نے اسی وقت منظور کی جب ایک ایسے ہی مقدمے میں مرزا منظور احمد کو کورٹ کے حکم پر لاہور جانے کی اجازت ملی۔ مرزا نے چھ لاکھ روپئے تاوان کے لئے بھی اپیل کر رکھی ہے جس کی کورٹ میں شنوائی ابھی باقی ہے۔

جب ان مظلوم پاکستانیوں کی درخواست کورٹ کے سامنے پیش ہوئی تو حکومت کے وکیل نے ان کی رہائی کی مخالفت کی۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ان پاکستانیوں کے اپنے الفاظ کے علاوہ کسی دوسرے آزاد ذرائع سے ان کی پاکستانی شہریت ثابت نہیں ہوتی۔ اس اندھی بہری دلیل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ کون سمجھائے وکیل سرکاری کو کہ ان بیچاروں کو سزا ہی اس جرم کے پاداش میں ہوئی تھی کہ وہ غیر قانونی طور سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ اتنا تو کم از کم طے ہے کہ اگر وہ پاکستانی نہیں تو ہندوستانی بھی نہیں ہیں۔

لکھن پال نے سرکاری وکیل کے دلائل کی یہ کہہ کر دھجیاں بکھیر دیں کہ انہیں ان پاکستانی قیدیوں کے رشتہ داروں کی طرف سے فون پر پیغامات ملے ہیں کہ اگر اٹاری اسٹیشن پر انہیں سمجھوتہ ایکسپریس پر بٹھا دیا جائے تو وہ لاہور میں ان کا استقبال کرنے۔ اور انہیں ازسرنو زندگی کی

شروعات کرنے میں مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔

لکھن پال کی زبان سے یہ سن کر جسٹس بیدی نے حکومت کو ہدایت کی کہ انہیں ٹرین پر پاکستان جانے کے لئے بٹھا دیا جائے اگر سفارتی ذرائع سے ان کی مدد نہیں کی جاتی۔ اگر کورٹ کا یہ حکم کامیابی سے نافذ کردیا جاتا ہے تو چالیس سے زائد ان پاکستانیوں کی رہائی کی بھی امید بندھ سکتی ہے جو پنجاب کی مختلف جیلوں میں ایسے ہی معمولی جرائم کی پاداش میں سزائیں کاٹ لینے کے بعد بھی جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔

●

"جب ہم اور کلنٹن نے آدھی رات کو سوئمنگ پول میں غوطہ خوری کی"

اپنی شادی کی بیسویں سالگرہ پر بل کلنٹن کی اہلیہ ہلیری کلنٹن کی خصوصی تحریر

11 اکتوبر کو میں اور میرے شوہر نے اپنی شادی کی بیسویں سالگرہ منائی۔ بظاہر یہ ایک عام سی بات ہے لیکن اب ہم ایک دوسرے کو اس سے زیادہ چاہتے ہیں جتنا کہ شادی کے وقت محبت کرتے تھے۔ کسی بھی شادی شدہ جوڑے کی طرح، جو مدت سے ساتھ رہ رہا ہو، ہم نے بھی اپنی شادی کو مضبوط، گہرا اور کامیاب بنانے کے لئے سخت محنت اور تکالیف برداشت کی ہیں۔ ہم نے ایک دوسرے کو پرعزم بنایا اور ایک دوسرے کی ہمت افزائی کی ہے۔ ہم نے اچھی خاصی تفریح بھی کی ہے اور بلاشبہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں چیلسی پیدا ہوئی۔

یہ ایسے ہی نہیں ہوگیا۔ شادی کا فیصلہ کرنے میں مجھے کچھ وقت لگا۔ بل کلنٹن اور میں قانون کی تعلیم کے دوران ہی ایک دوسرے سے ملنے لگے تھے لیکن معاملے کے سیریس ہوجانے کے باوجود بھی میں وہ قدم اٹھا نہیں پارہی تھی شادی جس کا مطالبہ کرتی ہے۔

کلنٹن نے میرے سامنے شادی کی تجویز ایک سے زائد بار رکھی۔ مجھے ان کے تئیں اپنی محبت میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنی زندگی کی تعمیر ارکانسس میں کرنے جارہے تھے۔ میں اس بات کو تصور کی آنکھوں سے نہیں دیکھ پارہی تھی کہ ایک ایسی جگہ جہاں نہ میرا خاندان ہوگا اور نہ کوئی دوست، میری زندگی کیسی ہوگی۔

قانون کی تعلیم ختم کرنے کے بعد ارکانسس اور ماساچوسیٹ کے بیچ ایک طویل رومانس کا سلسلہ شروع ہوا جس سے ٹیلی فون کی کمپنیوں کا مالی فائدہ ضرور ہوا لیکن خود ہمارے لئے یہ اطمینان بخش نہیں تھا۔ پھر ایک سال بعد میں نے ایک گہری سانس لی اور قانون پڑھانے ارکانسس چلی گئی۔ بہت جلد میں نے نئے کام، نئے دوستوں اور نئی خوبصورت جائے سکونت سے لطف اندوز ہونا شروع کردیا۔ 1975ء کے موسم گرما کا ایک دن تھا جب مجھے کچھ ہفتوں کے لئے شہر سے باہر جانا پڑا۔ بل اپنی کار سے مجھے ایرپورٹ چھوڑنے آئے۔ ایرپورٹ جاتے ہوئے راستے میں ہمیں ایک چھوٹا سا اینٹوں کا بنا ہوا مکان نظر آیا جس پر برائے فروخت کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ میں نے رواداری میں کہہ دیا کہ کتنا خوبصورت مکان ہے۔

جب میں سفر سے واپس آئی تو بل کلنٹن نے کہا: "تمہیں وہ گھر یاد ہے جسے تم نے پسند کیا تھا۔ ٹھیک ہے، میں نے اسے خرید لیا ہے اور بہتر یہ ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو کیونکہ میں خود تنہا اس میں نہیں رہ سکتا۔" وہ موقع تھا جب میں نے شادی کے لئے اپنی رضامندی دے دی۔

گھر صرف ایک ہزار اسکوائر فٹ زمین پر بنا ہوا تھا اور ائرکنڈیشنڈ نہیں تھا۔ لیکن اس میں ایک بڑا پنکھا، ایک رہنے کا کمرہ اور ایک آتش دان وغیرہ تھے۔ بل نے اسے پرانے فرنیچر سے آراستہ کرنا شروع کردیا تھا۔ جس میں ایک بیڈ بھی تھا جو اس نے قدیم اشیاء کی ایک دوکان سے خریدا تھا۔ انہوں نے وال مارٹ سے چادریں بھی خریدیں جس پر ہرے اور پیلے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ آج تک کلنٹن مجھ سے لطیفہ بازی کرتے ہیں کہ انہیں نہیں معلوم کہ وہ اس گھر کا کیا کرتے اگر میں نے شادی کرنے سے انکار کردیا ہوتا۔ ہم نے اس چھوٹے مگر خوبصورت گھر کے کمرہ رہائش میں موسم خزاں کی ایک شاندار سہ پہر کو شادی رچالی اور اپنی ایڈونچر سے پر زندگی شروع کردی جو اب بھی جاری و ساری ہے۔

> ان گذشتہ سالوں میں جو کچھ میں نے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی شان شادی میں ہے۔ یہ ایک احساس ہے جو یہ جاننے کے بعد ملتا ہے کہ تمام آزمائشوں اور مصائب سے گذرنے کے بعد آپ کی اپنے شوہر سے محبت باقی رہتی ہے۔ جس میں دونوں میاں بیوی کو اپنا سب کچھ دینا پڑتا ہے اور بحران اور چیلنجوں کے وقت صبر و استقامت سے کام لینا پڑتا ہے۔

ان گذشتہ سالوں میں جو کچھ میں نے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی شان شادی میں ہے۔ یہ ایک احساس ہے جو یہ جاننے کے بعد ملتا ہے کہ تمام آزمائشوں اور مصائب سے گزرنے کے بعد آپ کی اپنے شوہر سے محبت باقی رہتی ہے۔

مدتیں گزریں کہ میں نے اور میرے شوہر نے اس خیال کو مسترد کردیا کہ شادی ایک پچاس پچاس فیصد والا معاملہ ہے۔ اس کے بجائے ہم اسے سو سو فیصد کے طور پر دیکھتے ہیں۔ جس میں دونوں میاں بیوی کو اپنا سب کچھ دینا پڑتا ہے اور بحران اور چیلنجوں کے وقت صبر و استقامت سے کام لینا پڑتا ہے جو ہر شادی شدہ جوڑے کی زندگی میں لازماً آتے ہیں۔ بسا اوقات مجھ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ صدر کی بیوی ہونا کیسا لگتا ہے۔ میں جواب دیتی ہوں کہ میں نے کسی آفس سے شادی نہیں کی بلکہ ایک انسان سے کی تھی اور اس شخص کی بیوی ہونا عظمت کا احساس دلاتا ہے۔ بلاشبہ کسی پبلک پرسنالٹی، خصوصاً صدر امریکہ کی بیوی ہونا بذات خود ایک چیلنج ہے۔ لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ آپ کے تعلقات کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ہو یا کسی اور کی، ہر شادی ایسے مواقع سے بنتی ہے جنہیں کوئی اور نہیں دیکھ سکتا۔ کچھ عملی مسائل بھی ہوتے ہیں۔ شادی شدہ جوڑے کی حیثیت سے آپ خلوت کا موقع کیسے پاتے ہیں؟ رومانس بھلا کیسے پھل پھول سکتا ہے جب آپ ایک ایسے آفس کے اوپر رہتے ہیں جہاں 24 گھنٹے کام ہوتا ہے؟ ٹھیک ہے، آپ کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لیتے ہیں۔

مثلاً گذشتہ موسم گرما کی ایک رات بے انتہا گرم اور حبس والی تھی ہم نے یہ سوچا کہ اس وقت وہائٹ ہاؤس کے سوئمنگ پول میں ایک غوطہ لینا بڑا اچھا ہوگا۔ اس وقت رات کافی ڈھل چکی تھی۔ ہماری بچی ہم سے دور کیمپ ڈیوڈ میں تھی۔ پس ہم نے اپنے اپنے ٹاول لئے، اپنا مینشن چھوڑا اور اوول آفس سے گزرتے ہوئے بعض جھاڑیاں پار کیں۔ آس پاس کسی کی موجودگی کے بغیر آدھی رات کے قریب ہم غسل و غوطہ سے لطف اندوز ہوئے۔

اس ہفتے اپنی شادی کی بیسویں سالگرہ منانے کے لئے سوئمنگ پول میں نہانے کے لئے موسم ذرا ٹھنڈا تھا۔ لیکن میں نے اس یادگار دن کے لئے ایک رومانس سے بھرا ہوا دوسرا راستہ دریافت کرلیا تھا۔ ممکن ہے آپ اس کے بارے میں اندازہ لگالیں کہ وہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔ لیکن مجھے معاف کریں، میں تو آپ کو بتانے سے رہی۔

ہلیری کلنٹن

بقیہ - سوامی کی کیس فائل

ہالینڈ کے ایک شہری سے دو لاکھ ڈالر کا غیر ملکی زرمبادلہ حاصل کیا۔ 1982ء میں انہوں نے نیویارک کی ایک کمپنی میں پارٹنرشپ حاصل کی اور انہوں نے اس میں 78 ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری کی۔ بعد میں انہوں نے ایک لاکھ 27 ہزار ڈالر کی شکل میں اپنا حصہ واپس لے لیا۔ 1980ء میں سنگاپور کے ایک شہری سے ایک لاکھ ڈالر لیا جسے ہانگ کانگ کے ایک بینک میں جمع کرایا گیا۔ یاد رہے کہ یہ سب کارستانیاں غیر ملکی زرمبادلہ کے فیرا قانون کے تحت غیر قانونی ہیں۔

5 فروری 1988ء کو لندن میں ایک غیر مقیم ہندوستانی پاٹھک کی شکایت پر سی بی آئی نے سوامی اور اگروال کے خلاف چار سو بیسی کا ایک کیس درج کیا۔ پاٹھک کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایک سرکاری سودا کرانے کے لئے ایک لاکھ ڈالر حاصل کئے تھے اور پھر یہ چپ بیٹھ گئے۔ 13 فروری 1988ء کو دونوں کو گرفتار کرلیا گیا مگر اسی دن ضمانت پر رہا کردیا گیا۔ بعد میں سی بی آئی نے ایک نوٹس جاری کیا مگر سوامی نے بیماری کا بہانہ بناکر حاضر ہونے سے انکار کردیا۔ 12 جولائی 1988ء کو سی بی آئی کی ایک ٹیم امریکہ، برطانیہ اور کناڈا سے تحقیقات کرکے واپس آئی، مگر حیرت انگیز طور پر اس ٹیم نے بہت ساری چیزوں کی چھان بین نہیں کی۔ آخری بار سوامی سے 26 فروری 1991ء سے پوچھ گچھ کی گئی۔ حوالہ کیس میں بھی یہ ملوث رہے۔ مارچ 1995ء میں ایس کے جین نے انکشاف کیا کہ نرسمہا راؤ کو جین نے سوامی کے ذریعے ہی روپے دئے تھے۔ حال ہی میں ببلو شریواستو نے انکشاف کیا کہ سوامی اور داؤد ابراہیم میں بھی تعلقات ہیں۔

سردست سی بی آئی نے ان سے پوچھ گچھ کی ہے لیکن ان پر مقدمہ چلانے کا کوئی نکتہ اسے دستیاب نہیں ہوا ہے۔ ●

بقیہ - تانترک کی داستان

بینلوں میں ان کے 1.10 کروڑ ڈالر جمع ہیں۔ لاکھوں روپے کے زیورات کروڑوں کی بے نامی جائداد کے کاغذات ہندوستانی افسران نے اس وقت پکڑے تھے جب دہلی، نوئیڈا، کانپور، بنگلور، مدراس، کلکتہ اور حیدرآباد میں ان کے رشتہ داروں کے یہاں چھاپے مارے گئے تھے، ان کی دولت سے متعلق گیارہ بینک لاکرس ہیں۔ اور کروڑوں کی لاگت سے دہلی میں ان کا دھرماتین آشرم ہے۔ اس آشرم کے لئے زمین اس وقت خریدی گئی تھی جب راؤ آندھرا پردیش میں وزیر تھے اور اس کی تعمیر اس وقت ہوئی جب راؤ وزیراعظم بن گئے۔ یہ کروڑوں کی زمین تھی لیکن اسے چند لاکھ میں چندرا سوامی کو 99 برسوں کے لئے پٹے پر دے دی گئی۔

● ● ● ●

بقیہ - پاکستانی سیاست پر

ہیں۔ اسی لئے انہوں نے ان تمام کوششوں کی حوصلہ شکنی کی جو اسلامی نظام کی راہ میں معاون ہوسکتی ہوں۔ مسلم انقلابی رمزی یوسف کو گرفتار کرکے امریکہ کے حوالے کرنے کا معاملہ ہو یا دوسرے اقدامات ہوں اسی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ چونکہ بے نظیر امریکہ سے فوجی امداد بھی چاہتی ہیں اس لئے اس کی ناز برداری میں لگی رہتی ہیں۔ پریسلر ترمیم کے ذریعے پاکستان پر جو اسلحوں کی پابندی عائد تھی اس میں براؤن ترمیم کے ذریعے پاکستان کو اسلحوں کی سپلائی کا راستہ صاف کیا گیا۔ بارسوخ ذرائع کے مطابق بے نظیر نے امریکہ کی منشا کے تحت مذکورہ 36 افسران کو گرفتار کیا۔ گرفتاری کی تاریخ اور پاکستان کو اسلحوں کی سپلائی کی منظوری کے اوقات میں جو ہم آہنگی ہے وہ اسی سمت میں اشارہ کررہی ہے۔

جنرل ضیاء الحق نے پاکستان، افغانستان یران اور وسطی ایشیائی ممالک پر مشتمل جس اسلامی بلاک کا خواب دیکھا تھا اس کو منتشر کرنا امریکہ کے لئے انتہائی ناگزیر ہوگیا تھا کیونکہ اگر اس میں کامیابی ہوتی تو امریکہ کے مفادات پر ضرب آتی۔ امریکہ چونکہ وسط ایشیا کے مارکیٹ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اس لئے ضروری تھا کہ وہ ان عناصر کو راستے سے ہٹوا دیتا جو پاکستان میں اسلامی انقلاب کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

بہرحال اس وقت پاکستان میں اسلامی ذہن کے حامل افراد جس کوشش میں لگے ہوئے تھے اس کو بے نظیر نے سردست ناکام بنادیا ہے۔ بے نظیر کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ جس طرح ان کے باپ کے زمانے میں فوجی بغاوت کرکے اقتدار پر قبضہ کرلیا گیا تھا اور بعد میں انہیں پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا۔ پھر وہی تاریخ دوہرائی جانے والی ہے۔ لہٰذا بے نظیر نے اسلامی انقلاب کو ناکام بنانے کے لئے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کیں۔ لیکن کیا وزیراعظم بے نظیر ان اقدامات کے ذریعے پاکستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں کامیاب ہوجائیں گی؟

●

بقیہ : بوسنیا

امریکی حکام ان کے درمیان شٹل کاک بنے رہیں گے۔ اس معاہدہ کی فعالیت کا اندازہ کرنا ابھی باقی ہے۔ گذشتہ ہفتے اقوام متحدہ کی فوج کے افسران سے گفتگو کے دوران ہال بروک نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر گورادزے جانے والی سڑک پر بوسنیائی ٹرک نہیں چل سکے تو اس معاہدہ کا ٹیسٹ نہیں لیا جاسکے گا جبکہ یہ معاہدہ عام جنگ بندی کا نمونہ ہے۔

تاہم وہ افسران ہال بروک کی بات سے مطمئن نظر نہیں آرہے تھے انہیں یقین نہیں تھا کہ اگر ہال بروک وقتی طور پر امن بحال کرنے میں کامیاب ہوگئے تو امریکہ میں اتنا دم خم رہے گا کہ اس کا نفاذ کرسکے۔ اس کی معقول وجہ یہ ہے کہ سراجیو میں بھی یہ خبر گشت کررہی ہے کہ بوسنیا میں 25000 امن محافظ فوجی بھیجنے کے لئے بل کلنٹن کے وعدے کا ساتھ کانگریس نہ دے سکے گی خصوصاً انتخاب کے سال میں۔ دراصل ہال بروک کا کارنامہ یہ نہیں ہے کہ انہوں نے بوسنیا میں امن قائم کیا ہے کیونکہ وہ تو ابھی بہت دور بلکہ ناممکن نظر آرہا ہے۔ ان کی سرگرمیوں کا مقصد ایک ایسی سرزمین میں ناکامیوں سے بچنا ہے جو آج تک ناکامیوں کی آماجگاہ رہی ہے۔

●

سمندر کی تہوں میں محلات کی تعمیر کا کام آج بھی جاری ہے

...کے ہیڈ کوارٹر کا انکشاف - پانچویں قسط

ابلیس کا اگر واقعی وجود ہے تو کہیں نہ کہیں اس کا مسکن بھی ہوگا۔ ابلیس محض ایک تمثیلی اور خیالی مخلوق نہیں ہے بلکہ آدم کی طرح اللہ تعالی کی مخلوقات کی اسکیم میں حقیقی مخلوق ہے جسے اللہ نے آدم کے برعکس مٹی کے بجائے آگ سے پیدا کیا تو لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی جغرافیائی مقام بھی ہوگا۔ وہ کہیں رہتا ہو، اٹھتا ہو، بیٹھتا ہو اور پھر یہ کہ انسانوں کی گمراہی کا جو ازلی ٹھیکہ اس نے لے رکھا ہے اس بارے میں پوری تندہی کے ساتھ سرگرم بھی ہو۔ پھر یہ کہ اس کے حواری بھی ہوں اور اس کے رفیقوں کا ایک حلقہ ہو جو اتنی بڑی دنیا میں نظام کفر کے غلبے کے لئے شب و روز سرگرم ہو۔

ابلیس کا وجود اور اس کے رفقاء کی سرگرمیوں کا تذکرہ جس تواتر کے ساتھ یہودی اور اسلامی ماخذ میں آیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ اس بارے میں کوئی شبہ کیا جائے۔ البتہ چونکہ بائبل کی تشریحات میں اور خود اس کے متن میں انسانی ہاتھوں اور دل و دماغ نے تعبیرات کے اتنے جوہر دکھائے ہیں کہ وہاں یہ سب کچھ کسی خاص اسکول کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے۔ رہی بات اسلامی حوالوں کی تو قرآن مجید اور احادیث میں شیطانی دنیا کے مسلسل متحرک رہنے اور اہل ایمان کو ورغلانے کے لئے جتنی تفصیلات کا تذکرہ ملتا ہے اس سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حق اور باطل کی معرکہ آرائی ہر لمحے جاری ہے جس میں اب فی زمانہ اگر ایک طرف خدا کے آخری پیغام کے ساتھ اس کے آخری رسول کی امت ہے تو دوسری طرف ابلیس کی سرکردگی میں شیاطین کا لشکر حق و باطل کے اس معرکے میں گذشتہ چار سو سالوں میں جس طرح ابلیس کو متواتر کامیابی ملتی رہی ہے اس نے نہ صرف یہ کہ اس کے حوصلے بلند کردئے ہیں بلکہ خود اب اللہ والوں کو اس عالمی نظام کفر کو الٹ پھینکنے کا عمل بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ صورت حال یہاں تک آپہنچی ہے کہ آج اسلام کے بیشتر مبلغین موجودہ نظام کفر کو الٹ پھینکنے کے بجائے اسی کے اندر رہ کر محدود اسلامی زندگی گزارنے کی اسٹریٹجی تشکیل دینے میں مصروف ہیں

ایک ایسے عہد میں جب ابلیس کا عالمی نظام اپنی پوری انتہا پر ہو، جب دنیا اس کی مٹھی میں آچکی ہو، جب زائنزم Zionism کے علمبرداروں اور یہودی رضاکاروں کے طفیل ابلیس نے موجودہ دنیا پر اپنی بالادستی مستحکم کرلی ہو جب مثلث نمائے برمودا میں واقع اس کے ہیڈ کوارٹر میں سرگرمیاں شباب پر ہوں، آنے جانے والوں کا سلسلہ ہو، چہل پہل ہو، میٹنگیں اور کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہوں اور جدید عالمی دجالی نظام کو پیش آنے والے خطرات اور اندیشوں پر بحث کا سلسلہ چل رہا ہو اور جب مسلم دنیا میں اٹھنے والی بعض اسلامی تحریکوں سے خائف ہوکر ابلیس انتہاپسندانہ ردعمل کی اسکیم بن رہا ہو ٹھیک ایسے وقت میں ابلیسی دنیا کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھانا یقینا ایک ایسا عمل ہے جس نے اس مستحکم دجالی نظام کے روحانی سرغنہ ابلیس کو بھی پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔

ملی ٹائمز نے مثلث نمائے برمودا کے حوالے سے بھی جن امور کا انکشاف کیا ہے وہ بذات خود کتنا ہی حیرت انگیز واقعہ کیوں نہ ہو البتہ آثار و شواہد کی روشنی میں ان حقائق کو مزید استحکام بخشتا ہے۔ گو کہ مثلث نمائے برمودا میں ہونے والے واقعات بذات خود نئے نہیں ہیں البتہ ابلیس کے مسکن کے حوالے سے اس علاقہ کا مطالعہ ایک ایسی معلوم دنیا کا احساس دلاتا ہے جس پر یقین کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا

ہے۔

سمندر کی گہرائی میں ہم نے جن عالیشان محلات کی خبر دی تھی ان کے بارے میں بعض سائنسی محققین نے ہمارے ان مشاہدات کو چیلنج کیا ہے۔ ان محققین کا کہنا ہے کہ ہزارہا سال پہلے جب خشکی کے بعض حصے سمندر بن گئے اور سمندر کے بعض حصے خشکی میں تبدیل ہوگئے جبھی یہ ممکن ہوا کہ خشکی پر بنے عالیشان محلات رفتہ رفتہ سمندر کی تہوں میں آگئے۔ اسی طرح سمندر کے بعض حصے صحرا اور ریگستان بن گئے۔ مذکورہ سائنسدانوں کے مطابق اس طرح کے واقعات ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے دنیا میں کثرت سے ہوتے رہتے ہیں اور آج بھی دنیاؤں کا بدلنا اور پانی والے حصے کا خشکی میں تبدیل ہوجانا معمول کی بات ہے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں انہوں نے ریگستان میں پائے جانے والے شارک مچھلی کے ان ڈھانچوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے بارے میں قیاس ہے کہ مچھلی کا ریگستان میں پایا جانا شاید اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ریگستان کا یہ علاقہ کبھی سمندر کا حصہ رہا ہوگا۔

گو کہ بظاہر اس دلیل میں وزن معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی حیثیت محض ایک اندازہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ایسا اس لئے بھی کہ تقریبا تمام ہی تاریخی اور مذہبی کتابوں میں طوفان نوح کا تذکرہ جس انداز سے مذکور ہے اس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ خشکی کے علاقے میں بڑی سمندری مچھلیاں طوفان نوح کے وقت آگئی ہوں گی البتہ پانی جب اچانک کم ہوا ہوگا تو ان میں سے بعض خشکی کے علاقوں میں پھنس گئیں جہاں پانی کے بغیر موت ان کے لئے مقدر تھی۔ صحرا میں پائی جانے والی طویل قد و قامت کی مچھلیوں کے ڈھانچے دراصل اسی طوفان نوح کے باقیات ہیں۔ ہمارے اس خیال کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ سائبیریا کے ان ٹھنڈے علاقوں میں آج بھی انتہائی طویل قامت آبی جانور عین خشکی پر منجمد حالت میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض جانور تو ہزاروں سال سے کچھ اس طرح منجمد ہیں کہ ان کا گوشت اب کتوں کے لئے دلچسپی کا باعث نہیں رہا ہے۔ خاص طور پر جو چیز قابل غور ہے وہ یہ کہ ان میں سے بیشتر جانور اولا سائبیریا میں پائے نہیں گئے ثانیا ان کے پیٹوں میں آج بھی ایسی گھاس منجمد حالت میں پائی گئی جو یقینا سائبیریا میں دستیاب نہیں ہے۔ اب اس سوال کا سائنسی محققین کے نزدیک کوئی جواب نہیں ہے کہ آخر یہ کیسے ممکن ہوا یہ طویل القامت آبی جانور سائبیریا کی سرزمین میں آکر منجمد ہوگئے اور بعض تو اتنی تیزی کے ساتھ انجماد کی لپیٹ میں آگئے کہ ان کے پیٹوں میں غیر ہاضم غذا اسی طرح محفوظ رہ گئی۔ اس واقعہ کا تعلق بھی دراصل طوفان نوح سے ہے

سمندر کے اندر پائے جانے والے ان محلات کے علاوہ تقریبا سو میل لمبی اور تیس فٹ اونچی ایک دیوار بھی پائی گئی ہے۔ شروع میں تو محققین اسے سمندر کی فطری ساخت کا حصہ سمجھتے رہے البتہ اس کی تراش خراش اور اس دیوار کی ساخت پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس دیوار کو کسی خاص مقصد کے تحت بنایا گیا ہے۔ پھر یہ کہ جو لوگ سمندر میں آنے والی تبدیلیوں خاص طور پر زلزلوں اور آتش فشانیوں سے واقف ہیں ان کا بھی کہنا ہے کہ سطح آب سے میلوں نیچے شاندار محلات کے در و دیوار انتہائی نفیس حالت میں ہزاروں سال سے نہیں ہوسکتے کہ اگر ایسا ہوتا تو سمندر میں ہونے والی تبدیلیوں سے ان کی صورت کافی مسخ ہوچکی ہوتی۔ پھر یہ کہ جنگلی بیل بوٹے اور سمندری گھاس ان محلوں کی شکل و صورت مسخ کردیتی جبکہ عالم یہ ہے کہ ان محلوں پر ایسا گمان ہوتا ہے جیسے کوئی شاہی خاندان ابھی ابھی ان محلوں کو ویران چھوڑ کر پکنک کے لئے باہر گیا ہے۔ عمارت کا نیا پن، گل بوٹوں کی آراستگی، تزئین اور سجاوٹ ہر بات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سمندر کی ان تہوں میں محلات کے بننے کا عمل آج بھی جاری ہے۔ البتہ پانی کی تہوں میں ہونے کی وجہ سے اس دنیا کی ٹیکنالوجی مختلف ہے مکینوں کے عادت و اطوار مختلف ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ جانے کیوں ان محلات میں کہیں کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ پھر آخر کون لوگ ہیں یا وہ کونسی مخلوق ہے جو ان محلات میں قیام پذیر ہے اور یہ کہ زیر آب اس دنیا کا انتظام و انصرام کس کے ہاتھوں میں ہے۔ سائنسی طور پر اس دنیا میں کیا کچھ ترقی ہوچکی ہے۔ اور یہ کہ ہماری دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہونے کے باوجود آخر اس دنیا کے باسیوں کو ہماری دنیا سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے کہ وہ یہاں بھی اپنے انداز کا نظام جاری کئے رکھنے پر مصر ہے؟ یہ اور اس طرح کے بہت سے سوالات کے جوابات اب اس شخص کی زبانی سنئے جو صدیوں اسی دنیا کا باسی رہا ہے اور جو اب کسی وجہ سے جلا وطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ (مزید تفصیلات اگلے شمارہ میں ملاحظہ کیجئے)

●

بقیہ :- جماعت اسلامی

کی وضاحت نہیں کی گئی ہے جو مختلف مشرک سیاسی پارٹیوں کے نمائندے جماعت اسلامی کی حمایت سے پروان چڑھائیں گے۔ پریس ریلیز کی چوتھی شق میں ایک سیاسی سیل کے قیام کا عزم بھی کیا گیا ہے جو ان سیاسی پارٹیوں سے گفتگو کرے گا جو فرقہ پرستی اور فسطائیت کی مخالف ہوں۔ البتہ دشواری سے بچنے کے لئے ان (صالح) پارٹیوں کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے جو جماعت اسلامی کے بقول فرقہ پرستی کی مخالف ہیں۔ گویا یہ سیاسی پارٹیاں جو فی زمانہ کسی نہ کسی حوالے سے سیاست میں سرگرم ہیں، ان کی مسلم دشمنی میں شاید اب بھی کوئی شبہ باقی ہے جس کی بنیاد پر یہ مفروضہ قائم کیا گیا ہے۔ پھر جماعت کے اس عزم کا اظہار کہ ان کے اندر بامقصد مفاہمت اور باہمی مشورے سے نشستیں تقسیم کرائی جائیں۔ اور اس طرح گویا اللہ والوں کی جدوجہد کی بدولت مشرکین کے ہاتھوں میں اس سرزمین کا اقتدار منتقل کردیا جائے۔ کیا یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے اللہ تعالی نے اپنے آخری رسول کو بھیجا تھا۔ اگر نہیں تو رسول کے نائبین اور خدا کے آخری رسول کی امت کی حیثیت سے ارباب جماعت کو یہ حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ مشرکین کی حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد کریں۔ اس راہ میں اہل ایمان کی قوت ضائع کریں اور یہ کہ غلبہ اسلام کا منشور رکھنے والے ایک قیمتی گروہ کو نظام شرک کے قیام کے لئے متحرک کردیں۔

ضرورت ہے کہ اسلام کے انقلابی پیغام کو اسی آب و تاب کے ساتھ پیش کیا جائے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ ہمیں نہ تو کسی ملک کے رسم و رواج سے مرعوب ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی غیر الہی نظام کے احترام کی حاجت۔ ہندوستان کی موجودہ صورت حال میں جہاں کفار و مشرکین کو بالادستی حاصل ہے اگر اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور اقامت دین کا نعرہ لگانے پر کوئی آپ کا مذاق اڑاتا ہے، پھبتیاں کستا ہے، تالیاں پیٹتا ہے تو یہ آپ کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہے، بہترین توشۂ آخرت ہے جس کے نتیجہ میں کل جب کفار و مشرکین شرمندہ ہوں گے آپ اللہ کے قرب کے مستحق ٹھہریں گے۔ لیکن اس کے برعکس اگر آپ کے صرف اس خوف سے کہ دنیا ہمیں دیوانہ نہ کہے ارباب کفر کے دربار میں ہماری چلت پھرت ہوتی رہے اور دنیا کے معزز کافرین کی صفوں میں آپ کو بھی جگہ ملے یا رتبے والے کفار و مشرکین آپ کے اجلاس میں اسٹیج کو زینت بخشیں۔ اگر دنیا کی اس ظاہری چمک دمک نے آپ کو مداہنت پر مجبور کردیا تو یہ سراسر خسارے کا سودا ہے۔ یاد رکھئے آج آپ جن کفار و مشرکین کی صحبت پر ناز کرتے ہیں خدا کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ دردناک عذاب کے منتظر ہیں۔

اے کاش کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر طاری اس کیفیت سے واقف ہوتے کہ جب اسلام کے انقلابی رویے کو نرم کردینے کی درخواست لے کر اور ایک مصالحت کے خیال سے اہل قریش ابوطالب کے پاس گئے تھے اور بعض مصالحانہ شرائط کے ساتھ کسی حد تک ابوطالب کو مطمئن بھی کرچکے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند لمحے کے لئے ایسا محسوس ہوا تھا کہ شاید ابوطالب مدد کا ہاتھ کھینچنے والے ہوں۔ اس سنگین صورت حال میں بھی شدت جذبات میں تقریبا روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ اگر اہل قریش میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج بھی رکھ دیں جب بھی میں اس انقلابی پیغام سے دست بردار نہ ہوں گا۔

●

تامل ناڈو کے چرمی کارخانے بند ہزاروں افراد بے روزگار

تامل ناڈو کے مزید 162 چرمی کارخانوں پر سپریم کورٹ کا عتاب آگیا۔ سپریم کورٹ نے انہیں بند کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ یہ حکم ستمبر میں جاری ہوا ہے جبکہ اس سے قبل 59 کارخانوں کو پہلے ہی بند کیا جاچکا ہے جس کے نتیجے میں ہزاروں ملازمین اور مزدور بے روزگار ہوگئے ہیں۔

ویلور سٹیزن ویلفیر فورم جیسے کسی کم نام (یا گمنام) ادارہ کے دائر کردہ مقدمہ اور تامل ناڈو پولیوشن کنٹرول بورڈ کی دی گئی رپورٹوں پر انحصار کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنایا گیا ہے، حالانکہ حقیقت پسندی کے پیش نظر فیصلہ کئے جانے سے پہلے یہ کیا جانا چاہئے تھا کہ اس علاقہ میں تحقیقات کرائی جاتیں اور یہ جاننے کی کوشش کی جاتی کہ کارخانوں کے خلاف ان کے اخراج شدہ پانی کے بارے میں جو مبالغہ آمیز پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں ان کا حقیقت کے ساتھ کتنا رشتہ ہے۔ کیا چمڑے کے کارخانوں سے خارج شدہ پانی کے اتنے برے اثرات ہیں کہ اس کے اطراف کی بستی کے لوگ واقعی اندھے لولے اور کانے ہوگئے ہیں اور بے شمار جلدی امراض میں بتلا ہوگئے ہیں۔ اور ان کے ہاں تمام بچے معذور پیدا ہونے لگے ہیں۔ اور کیا واقعی وہاں کی ہریالی مرجھا کر ریگستان کا سا منظر پیش کرنے لگی ہے۔ کیا ان کارخانوں سے خارج شدہ پانی زمین میں جذب ہوکر کنوؤں کے پانی میں مل گیا ہے اور ان میں ناگوار بدبو آگئی ہے کہ لوگ اپنی ناک پر کپڑا رکھ کر گھربار خالی کرکے بھاگنے لگے ہیں۔ یا کنوؤں کو بند کرنے میں لگ گئے ہیں۔ حقیقت حال بالکل برعکس ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ کارخانوں کے مالکوں کی اپیل کے باوجود انہیں مزید مہلت نہیں دی گئی۔ اگر اس کا موقع دیا جاتا تو وہ پانی کی صفائی کے پلانٹ قائم کرنے کی تگ و دو کرتے۔ اور کارخانے بھی بند نہ ہونے پاتے اور غریب مزدور اور ان پر منحصر بے شمار بوڑھے، بچے اور عورتیں متاثر نہ ہوتے۔

سپریم کورٹ کے عزت ماب جسٹس کلدیپ سنگھ صاحب اور جسٹس صغیر احمد صاحب سے مودبانہ گزارش ہے کہ چرمی دباغت خانوں کو بند کردیئے جانے کے اپنے حکم پر نظر ثانی فرمائیں اور تحقیق کا حکم دیں کہ ویلور سٹیزن ویلفیر فورم کا دائر کردہ مقدمہ کیا واقعی مبنی بر حقیقت ہے کیا اس گاؤں کے افراد اس فورم کے حق میں ہیں اور اس فورم کو متعلقہ گاؤوں کی کتنی حمایت حاصل ہے اور کیا ان گاؤوں کے افراد واقعی آبی آلودگی کے عذاب میں گرفتار ہیں کہ جس کی مکروہ صورت عدالت کے سامنے پیش کرکے فورم نے اپنی بات منوائی ہے۔ لوگوں کو متعلقہ فورم کی نیک نیتی پر شبہ ہے اور اس میں فرقہ واریت کی بو آتی ہے۔ عدالت کو چاہئے تھا کہ فیصلہ کرنے سے قبل حقیقت حال کا جائزہ لیتی۔ لیکن افسوس ایسا نہیں کیا گیا اور ہزاروں افراد کی شکم پروری کے لالے پڑگئے۔

سی۔ محمد اعظم آمبوری

احمدی نگر، آمبور (تامل ناڈو)

مساجد و مدارس پرحکومت کا کنٹرول ہوجائیگا

گذشتہ دنوں کل ہند اقلیتی فورم کی مجلس عاملہ کی اہم میٹنگ مجاہد ملت منزل میں منعقد ہوئی۔ جس میں چند نام نہاد مسلم مفاد پرست رہنماؤں کی ناپاک کوششوں پر جو ائمہ مساجد و موذنوں کی حکومت کے ذریعہ تنخواہوں کی ادائیگی پر ہورہی ہیں، غور و خوض کیا گیا۔ عاملہ نے اسے مدارس اور مساجد میں حکومت کی مداخلت قرار دیا۔ کیونکہ اس طرح کے حکومتی اقدام سے اماموں، موذنوں کی تقرری، تبادلے، برخاستگی کا حکومت کو مکمل اختیار حاصل ہوجائے گا۔ جس سے مساجد و مدارس کا حکومت کے کنٹرول میں آنا یقینی ہوجائے گا۔ اس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ ہر طبقہ خیال کے علماء کرام، مفکر عظام اور دانشوروں کا ایک کنونشن دہلی میں کیا جائے اور اس ناپاک تحریک کو فوری طور پر کچل دیا جائے اور مسلمانان ہند کی جانب سے حکومت ہند کو واضح کردیا جائے کہ مسلمان حکومت کے اس اقدام کو اپنے پرسنل لاء میں مداخلت تصور کرتے ہیں۔

آفس سکریٹری

آل انڈیا سیکولر اقلیتی فورم۔ کاندھلہ (یوپی)

ہندوستان مسلمان اور سیاست

مغل حکومت کا زوال، انگریزوں کی غلامی سے دیش کی آزادی تک اور آزادی کی نصف صدی تک مسلمانوں کے ساتھ مسلسل ناانصافی ہوتی چلی آرہی ہے۔ اگر مسلمان اپنے مکمل سیاسی حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ایک الگ تنظیم قائم کرنا ہوگی اور اس سے اپنے حق کی لڑائی لڑنی ہوگی جبھی وہ اپنے تمام حقوق حاصل کرسکتے ہیں۔

عبدالرحمن

برنپور، ضلع بردوان (مغربی بنگال)

طلبہ کو وضائف

سنٹرل وقف کونسل جام نگر ہاؤس شاہ جہاں روڈ نئی دہلی کے سکریٹری کے مطابق حکومت ہند کا سنٹرل وقف کونسل حسب سابق امسال بھی ہونہار طلبا و طالبات جو تکنیکی تعلیم جیسے بی۔ ای، ایم بی بی ایس، بی یو ایم ایس کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں یا ایسے ٹیکنیکل ادارے جو منظور شدہ ہوں اور اپنے یہاں فریش ٹریڈ کورس چلانا چاہتے ہوں ان کو پچاس فیصد میچنگ گرانٹ کی سہولت دی جائے گی۔ ضرورت مند اور نادار طلباء و طالبات جو تکنیکی تعلیم میں ڈپلوما کررہے ہوں سنٹرل وقف کونسل ان کے معاملات پر بھی غور کرے گی۔ منظور شدہ ریڈنگ روم کی بھی مالی امداد پر وقف کونسل وقف بورڈوں کے ذریعہ غور کرے گی۔ ضرورت مند طلباء و طالبات تفصیلی معلومات کے لئے اس خط میں اوپر دئے گئے پتے پر رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔

جاوید احسن

اسسٹنٹ سکریٹری

یوپی سنی سنٹرل بورڈ آف وقفس

3۔ اے مال ایونیو۔ بٹ ہاؤس لکھنؤ۔

آخر ہم ذلیل و خوار کیوں ہوگئے

آج عالم اسلام ایک ایسے تضاد سے دوچار ہے جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ کسی زمانہ میں عالم اسلام اس قدر وسیع و عریض نہ تھا اور نہ ہی سیاسی و اقتصادی اعتبار سے اس کی یہ اہمیت تھی مگر افسوس صد افسوس سارے مادی وسائل و اسباب کے باوجود جو ذلت و رسوائی درپیش ہے پوری اسلامی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ پہلے دشمن طاقتیں عالم اسلام کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانے میں تردد محسوس کرتی تھیں۔ چنانچہ خلافت اسلام کے ایک آہنی قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کی پوری تاریخ بہادری و شجاعت سے لبریز تھی۔ جس کی وجہ سے دشمنان اسلام کو عالم اسلام پر نگاہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن سلطنت عثمانیہ کا سقوط مسلمانوں کے لئے ذلت و رسوائی اور زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ دشمن نے موقع کو غنیمت جان کر عالم اسلام کو سیاسی و اقتصادی میدان میں زیر کرنے کی کوشش تیز کردی اور نام نہاد مسلم حکمرانوں کی نااہلی اور ملت اسلامیہ کے اندر اختلاف و انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی حد تک وہ اپنی اس مہم میں کامیاب رہا۔

آج امت مسلمہ ہر میدان میں شکست خوردہ نظر آتی ہے آخر کیوں؟ کیا آپ نے کبھی اس پر غور کیا؟ اس کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمارے اندر سے اسلام کی خاطر فداکاری و جاں نثاری کا جذبہ مفقود ہوگیا۔ باطل قوتوں کے خلاف جہاد کی اسپرٹ جاتی رہی۔ مادہ پرستی و ہوس پرستی ہمارا شعار بن گئی۔ اخوت اسلامی کے درس کو ہم نے بھلا دیا جبکہ قائد انسانیت رسول آخرالزماں کا فرمان ہے کہ مسلمانوں کی مثال ایک جسم و جان کی ہے اگر جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف پہنچتی ہے تو سارے اعضائے جسم متاثر ہوتے ہیں۔

محمد ذاکر خان اعظمی

ریاض۔ مملکت سعودی عرب

یہ دوغلی پالیسی نہیں تو کیا ہے

مہاراشٹر کی موجودہ حکومت کے اب تک کے کارناموں سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ وہ ہندو لابی میں اپنا اثر کھورہی ہے۔ خاص طور سے بی جے پی بری طرح کشمکش میں مبتلا ہوگئی ہے۔ اس کا سبب بھی خود اس کے اپنے اٹھائے ہوئے غلط قدم ہیں جو اس نے مہاراشٹر میں شیو سینا اور اترپردیش میں بی ایس پی کو تعاون دے کر اٹھائے ہیں۔

میں اونچی ذات کے ہندوؤں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ایک طرف تو بی جے پی رام کے نام سے ووٹوں کی بھیک مانگتی ہے تو دوسری طرف انہی کے بھگوان کو گالی دینے والے پیریار کا میلہ منعقد کرنے والی بی جے پی کی حمایت کرتی ہے۔ یہ دوغلی پالیسی نہیں تو کیا ہے۔ ہندو قوم کو چاہئے کہ وہ سمجھ سے کام لے۔ بی جے پی کی اصل شکل اس کے سامنے آجائے گی۔

سید نظام الدین خطیب

گلبرٹ ہل روڈ، اندھیری (مغرب) بمبئی

کامیاب نہ ہونے دیں

ایسا لگتا ہے کہ جیسے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو ملیا میٹ کردینے کی سازش نرسمہاراؤ کا اولین نقطہ نظر ہو۔ اس میں ایک نقطہ مسجد کے امام کو سرکاری تنخواہ دینا بھی ہے جس کو مٹھی بھر مفاد پرست مسلمانوں کے ذریعہ سراہا جارہا ہے۔ علمائے دین اور قومی رہنماؤں سے گذارش ہے کہ دور اندیشی سے کام لے کر راؤ کے ناپاک عزائم کو کامیاب نہ ہونے دیں۔

محمد آفاق پوپری (بہار)

ایک ممتاز اخبار

ملی ٹائمز انٹرنیشنل کا پابندی سے مطالعہ کرتا ہوں۔ اور اس سے بھرپور استفادہ کرتا ہوں۔ یہ اخبار پوری اردو دنیا میں شائع ہونے والے ممتاز اردو اخباروں میں سے ایک ہے۔ بلحاظ انتخاب مضامین، حالات حاضرہ پر رپورٹیں نیز سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی، اصلاحی و تربیتی مضامین کے علاوہ صحت اور اسلام سے متعلق سوال اور ان کے فقہی جوابات اس کے معیار کو مزید دوبالا کردیتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کو مزید فروغ و استحکام بخشے۔

قمر عالم

علی گڑھ (یوپی)

مسجد قوت الاسلام کی بے حرمتی کی مذمت

گذشتہ ہفتے قطب مینار کی حدود میں "قطب اتسو" کے موقع پر رقاصاؤں کے ناچ گانے اور محفل موسیقی منعقد کرکے مسجد قوت الاسلام کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ قطب مینار دراصل مسجد قوت الاسلام کا ایک حصہ ہے جسے دہلی کے مسلم سلاطین نے تعمیر کیا تھا لہذا مسجد کی حدود میں عورتوں کے ناچ اور گانے اور رقص و سرود کی محفل کا انعقاد کرکے مرکز کی کانگریسی حکومت اور بی جے پی کی ریاستی حکومت نے مسجد کی بے حرمتی کی ہے اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کئے ہیں جس کے لئے انہیں معافی مانگنی چاہئے اور آئندہ اس قسم کے واقعات کا سدباب کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر بصیر احمد

صدر متحدہ مسلم فرنٹ و انصاف پارٹی

مسلمان خود سوچ کر فیصلہ کریں

ملی ٹائمز کے ذریعے بوسنیا اور کشمیر کے مسلمانوں کی صحیح صحیح خبریں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور ادھر ہمارے کچھ مسلم بھائی مسلمانوں کے ووٹ بٹورنے کے چکر میں لگے ہیں

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود سوچیں اور فیصلہ کریں کہ ان کو کیا کرنا چاہئے، کسی کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

مرغوب الحسن

بھوپال ہاؤس (سلیمان ہال) اے ایم یو

علیگڑھ

ایک سنجیدہ کوشش

ماہنامہ "تعمیر ملت" پالیسی، عمل صالح، پاکیزہ کردار، اتحاد، تنظیم تعلیم اور تجارت۔ قارئین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ذکر ایک سنجیدہ پرچے کا ہورہا ہے۔ بالکل صحیح ہے لیکن یہ پرچہ اردو میں نہیں ہندی میں ہے اور اس کے ٹائیٹل ہی پر اس کی پالیسی کے عنوانات درج ہیں اور نیچے اقبال کا ایک مصرع ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں لکھا ہوا ہے!

اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا مقصد ہندی جاننے والے مسلمانوں کی اصلاح اور موجودہ حالات میں ان کے کردار کی تربیت ہے۔ زبان خالص اردو ہے البتہ رسم الخط ہندی ہے۔ اس میں قرآنی آیات کے ترجمے بھی ہیں اور احادیث بھی، نعت بھی ہے اور اقوال زریں بھی۔ اصلاحی مضامین بھی ہیں اور سیاسی تبصرے و تجزیے بھی۔ مجموعی طور پر یہ ایک اچھی کاوش ہے اور اگر اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا تو بلاشبہ یہ رسالہ اپنے قارئین کی تربیت و اصلاح میں نمایاں رول ادا کرسکتا ہے۔ ایم اے نعیم مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک سنجیدہ پرچہ نکالنے کی سعی کی۔

(ایڈیٹر)

اگر ہمیں اردو سے محبت ہے تو۔۔۔

گذشتہ دنوں انجمن ندائے اردو ہند کے دفتر میں ایک نشست منعقد کی گئی جس میں اردو کو درپیش مسائل کو حل کرنے کے لئے اور اردو کی ترویج و اشاعت و ترقی کے بارے میں سنجیدگی سے غور کیا گیا، انجمن کے جنرل سکریٹری عتیق الرحمان ندوی نے جلسے کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو اساتذہ کی تقرری کے بعد محبان اردو پر دو چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ہمارا بنیادی کام یہ ہے کہ اسکولوں میں زیادہ سے زیادہ طلبہ و طالبات کو داخلہ دلایا جائے اگر ہم اردو سے محبت کرتے ہیں تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے انہیں ان اسکولوں میں داخلہ دلائیں جہاں اردو کی تعلیم کا اچھا انتظام ہے۔

شفیق الرحمان صدیقی

انجمن ندائے اردو ہند، علی گنج، لکھنؤ

دعائے صحت کی درخواست

جناب ایس این ایچ نقوی ملی پارلیامنٹ کے سرگرم کارکن اور ملی ٹائمز کے بہی خواہ گلے کے کینسر میں مبتلا ہیں۔ ادارہ ان کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہے۔ (ادارہ)

اس ملک کو تحفظ شریعت نہیں نفاذ شریعت مہم کی ضرورت ہے

پرسنل لا بورڈ کے حالیہ احمد آباد اجلاس میں نظریاتی کنفیوژن کا جائزہ

ہندوستان کا مسلم معاشرہ اس گئی گزری حالت میں بھی وقتاً فوقتاً بعض ایسے قابل قدر مظاہر پیش کرتا ہے جو اس ملک میں اسلام کے حوالے سے ایک نئے مستقبل کے امکانات کا پتہ دیتے ہیں۔ معاملہ شریعت کا ہو یا مسجد کا، نعرہ اللہ کے گھر کے تحفظ کا لگایا گیا ہو یا شریعت کے تحفظ کا، ہر موقع پر اہل ایمان کی ایک بڑی تعداد اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے آگے آتی رہی ہے۔ کچھ یہی تاثر احمد آباد میں منعقد ہونے والے مسلم پرسنل لا بورڈ کے دو روزہ اجلاس کے موقع پر بھی ملا۔ جب کوئی ڈیڑھ لاکھ مسلمان تحفظ شریعت کے نعرے کے تحت پرسنل لا بورڈ کے قائدین کو سننے کے لئے جمع ہوگئے۔ البتہ ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی ان کے حصے میں کنفیوژن اور مایوسی کے علاوہ اور کچھ نہیں آیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان اسلام کے سلسلے میں جتنے حساس ہیں اور اپنے ایمان بچانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے میں جتنے فراخدل ہیں ان کی ملی قیادت کسی انقلابی قدم کے خیال سے اتنی ہی خائف ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ شریعت کے نام پر بے بسی اور مجبوری اور دین کے نام پر بے چارگی ہمارا مقدر بن گئی ہے۔

نوعیت کے اعتبار سے تو پرسنل لا بورڈ کا یہ جلسہ اپنے ماضی کے دوسرے اجلاس کے مقابلے میں کچھ مختلف نہ تھا کہ یہاں بھی بجھے بجھے دلوں سے شریعت کے تحفظ کی بات کی گئی۔ قوت عمل کے مفقود ہونے اور اس کا شدید احساس ہونے کے باوجود عمل کے بہت سے منصوبے بنائے گئے اور تحفظ شریعت کا ہفتہ منانے کا پروگرام بنا کر اس بات کی بھی کوشش کی گئی کہ عامۃ الناس کے درمیان بورڈ کے سرگرم ہونے کا کچھ نہ کچھ احساس باقی رہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کو چونکہ اس وقت بوجوہ مسلمانوں کے واحد معتبر فورم کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے اور اس کی قیادت ایک معتبر اور مقبول عالم دین کے ہاتھوں میں ہے اس لئے بورڈ کے ارادوں اور منصوبوں سے بجا طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ ان میں ان اسلامی عزائم کا اظہار ہو جو اللہ کو اپنے مومن بندوں سے مطلوب ہے۔ شریعت کے تحفظ کے حوالے سے بورڈ نے ایک بڑی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اب اگر بورڈ کے ذمہ داروں کو اس عظیم ذمہ داری کا احساس نہ ہو تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت اپنے مومن بھائیوں کے سامنے ان معروضات کو رکھے جس کے لئے اس امت کی بعثت ہوئی ہے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ بورڈ کے صدر مولانا علی میاں کو اس نزاکت کا احساس نہیں ہے اور وہ ان پیچیدگیوں سے واقف نہیں ہیں جو ایک غیر اسلامی مملکت میں رہنے والے اہل ایمان گروہ کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر اس موقع پر پڑھے جانے والے خطبہ صدارت میں بھی آپ نے قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ دیا ہے کہ "جو کوئی اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔" گویا خدا کی شریعت کے مطابق زندگی کے امور کا فیصلہ کرنا، اس کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کے علاوہ ہر نظام کو یکسر ٹھکرا دینا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ یعنی اگر آپ نے کسی اور نظام حکومت کو تسلیم کرلیا اور اس کے مطابق زندگی گزارنے پر مطمئن ہوگئے تو گویا آپ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو کر نافرمانوں کے صفوں میں داخل ہوجاتے ہیں۔ فکر کا یہ انداز یقیناً قرآنی ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اس انقلابی لب و لہجے میں بات کرنے والا عالم دین اسی اجلاس کے اسی خطبے میں ان دستوری حقوق کا حوالہ دیتا ہے جس کے تحت بقول اس کے مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی حاصل ہے یعنی عائلی زندگی میں تو شریعت کے نفاذ پر اس قدر اصرار اور سماجی اور سیاسی زندگی میں نظام طاغوت کا صاف صاف اقرار اور اسے گویا اعتبار اور سند بخشنا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا کے نازل کردہ احکام کے بغیر عائلی مسائل کے فیصلے سے آپ کا ایمان رخصت ہوجاتا ہے تو پوری زندگی پر محیط نظام کفر کی تابعداری سے آپ کا ایمان کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور اگر آپ خدا کے بھیجے گئے احکام کے علاوہ سارے نظام کے منکر ہیں تو پھر دستور کا حوالہ دینا چہ معنی دارد؟

فکر و نظر کا یہی وہ کنفیوژن ہے جو اس امت کے قائدین کو اس ملک میں گذشتہ پچاس برسوں سے درپیش ہے۔ قرآن مجید کا معمولی طالب علم بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ دنیا کا کوئی بھی نظام حیات خواہ اسے کتنا ہی اعتبار کیوں نہ حاصل ہوجائے شریعت کی نظر میں اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں پھر یہ کہ اللہ کی کتاب صرف نکاح طلاق کے مسائل حل کرنے اور میراث کی تقسیم کے لئے اصول متعین کرنے کے لئے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ پوری زندگی پر جاری و ساری ہونے کے لئے بھیجی گئی ہے۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ شریعت کے حاملین اور کتاب و سنت کے علم رکھنے والے معتبر علماء کرام بھی ادھوری شریعت کے نفاذ پر سارا زور صرف لئے دیتے ہیں۔ اس عمل نے اسلامی شریعت کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ نظام کفر کو نظریاتی طور پر قبول کرنے والے علماء کرام نظام کفر کے دستور کا حوالہ دے کر اللہ کی شریعت کے تحفظ کی تحریک چلانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ بات کیوں بھولے جاتے ہیں کہ اللہ نے اپنی شریعت تحفظ کے لئے نہیں بلکہ نفاذ کے لئے بھیجی تھی۔ پھر ہم تحفظ شریعت کے بجائے نفاذ شریعت کی تحریک چلانے میں شرم کیوں محسوس کرتے ہیں۔؟

دستور اور جمہوریت کی دہائی اب بہت ہوچکی۔ للہ اب خدا اور اس کے رسول کے احکام کی دہائی دیجئے اور مکروہ جمہوریت کے سائے تلے پناہ ڈھونڈنے یا دستور کو اپنا محافظ قرار دینے کے بجائے اپنے آپ کو اللہ کی حفاظت میں ڈال دیجئے۔ ورنہ اس ادھوری شریعت کے نفاذ سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ آپ لاکھ شرعی عدالتیں قائم کرلیں یا اصلاح معاشرے کی تحریک چلالیں ایک غیر اسلامی نظام کے اندر اس کا کچھ بھی نتیجہ برآمد نہ ہوگا ہاں یہ ضرور ہوگا کہ شریعت کے نام پر کچے پکے مولویوں سے قائم ہونے والے دارالقضاء شریعت کا مزید حلیہ بگاڑ دیں گے۔ اور خدا کی عظیم الشان ترقی یافتہ شریعت ایک بدمزہ اور پھیکا عمل بن جائے گی۔ اے کاش کہ ہم دین میں پورے کے پورے داخل ہوسکیں۔ ادخلوفی السلم کافہ

جماعت اسلامی کا سیاسی SALE

ہندوستان میں تحریک اقامت دین کی باقیات میں جماعت اسلامی اس اعتبار سے ممتاز کہی جاسکتی ہے کہ آج بھی اس کے پاس نظام مصطفے کے قیام کے سلسلے میں اچھا خاصا لٹریچر موجود ہے۔ لیکن اسے حالات کی ستم ظریفی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ حکومت الٰہیہ یا اقامت دین کے قیام کے لئے تشکیل پانے والی جماعت کا سرمایہ اب ان لوگوں کے ہتھوں چڑھ گیا ہے جو نہ تو ان عظیم مقاصد کی اہمیت کا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی ان بیچاروں کو کتاب و سنت کی ان انقلابی اصولوں کی ہوا لگی ہے جس کے نتیجہ میں کوئی واقعتاً انقلاب برپا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سید مودودی کا ورثہ آج انتہائی بے چارگی اور کسمپرسی کے عالم میں گوناگوں نظریاتی کنفیوژن کا شکار ہے۔

ہندوستان میں غلبہ اسلام کے خواب کو زندہ رکھنے میں صدی کے دوسرے نصف حصے میں جماعت اسلامی کا جو رول رہا ہے اس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت سے ہر اس شخص کو تعلق ہے جو اسی خواب کے لئے جیتا اور مرتا ہو۔ اپنے اسی انقلابی پیغام کے لئے جماعت اسلامی کو دیگر مسلم جماعتوں کی بہ نسبت زیادہ اہمیت ملتی رہی ہے اور چند ہزار نفوس کی جماعت کو ایک قیمتی سرمایہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ اب اگر کسی مرحلے میں یہ قیمتی سرمایہ نااہلوں کے ہاتھوں ضائع ہوتا محسوس ہو تو یہ اس امت کے لئے انتہائی تشویش ناک بات ہوگی خاص طور پر جب اس کے دوسرے اہم ادارے پہلے ہی تباہ ہوچکے ہوں۔

گذشتہ دنوں جماعت کی مجلس شوری نے الیکشن کے موقع سے جو اہم فیصلے کئے ہیں اور اس موقع پر جو پریس ریلیز جاری کی گئی ہے اس سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ جماعت اسلامی نے اقامت دین کے مقدس خواب سے کنارہ کش ہوکر ایک عام، بدمزہ، سیکولر جماعت بننے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اگر ہمارے یہ اندیشے صحیح ہیں تو امت کو اور جماعت سے محبت رکھنے والوں کو اس قیمتی سرمائے کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پرامن جمہوری اور دستوری طور پر اقامت دین کے لئے جدوجہد کرنے والی جماعت نے اپنے پریس ریلیز کے مطابق "ملک میں جمہوری فضا کو برقرار رکھنے، فسطائیت اور تشدد کے رجحانات پر روک لگانے کے لئے مسلسل "جدوجہد" کا فیصلہ کیا ہے۔ یاد رہے کہ کل تک یہ مسلسل جدوجہد اقامت دین کے لئے ہوا کرتی تھی۔ آج جمہوریت کا فروغ دوسری ترجیحات پر غالب آگیا ہے۔ کوئی ان بیچاروں سے یہ پوچھے کہ جمہوری فضا کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری آپ پر کس نے عائد کی ہے۔ خدا نے، اس کے رسول نے یا نئے دور کے مغربی تصورات نے؟ ایک معمولی فہم رکھنے والا انسان بھی اس بات سے خوب واقف ہے کہ جمہوریت دراصل اکثریت کی بالادستی کا نام ہے اور ہندوستان کے ماحول میں اس کا سیدھا سا مطلب ہے کفار اور مشرکین کی بالادستی بالفاظ دیگر سیاسی غلامی کی ایک ایسی صورت حال جہاں کفار و مشرکین کے بہت سے ووٹ اہل ایمان کی مختصر سی تعداد پر غالب آجاتے ہوں۔ سیاسی غلامی کی اس فضا میں جس میں ہم گذشتہ پچاس سال سے اس ملک میں سانس لے رہے ہیں اور جس میں ہر آنے والا دن ہم سے ہمارا بہت کچھ چھین لیتا ہے۔ محرومی، مایوسی اور ضعف کا احساس مزید گہرا ہوتا جاتا ہے۔ بھلا ایک ایسی صورت حال کو برقرار رکھنے کے لئے جدوجہد کرنا چہ معنی دارد؟

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافرادا کا غمزہ خونریز ہے ساقی

کہاں اقامت دین کے لئے اٹھنے والی جماعت اور کہاں کفار و مشرکین کی بالادستی کو قائم رکھنے والی جمہوریت کو برقرار رکھنے کے لئے مسلسل جدوجہد کا عزم یعنی ایک ایسا لایعنی ہدف جو نہ صرف یہ کہ ایک لایعنی عمل ہے بلکہ مشرکین کی سیاسی غلامی کے سائے کو مزید گہرا کرتا ہے۔

اس پریس ریلیز میں مبنی براقدار سیاست کو پروان چڑھانے کا عزم بھی کیا گیا ہے۔ البتہ ان اقدار

باقی صـ۱۳ پر

حقیقی عوامی نمائندوں کی شرکت کے بغیر کشمیر میں

انتخابی ہنگامہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا

کشمیر میں عام انتخاب کرانے کی بات ایک مدت سے چل رہی ہے ۔ لیکن حکومتی سطح پر سرگرمیوں میں تیزی ابھی حال ہی میں آئی ہے ۔ ایک طویل انتظار کے بعد وزیراعظم نے کشمیر کے سابق وزیراعلی ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے ملاقات کی۔ لیکن اس ملاقات کے بعد فاروق اور ان کی پارٹی کو کافی مایوسی ہوئی۔ کیونکہ وزیراعظم نے اس ساری گفتگو کے دوران صرف ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا نقطہ نظر جاننے کی کوشش کی ۔ خاص طور سے نیشنل کانفرنس کے 1952ء کے دہلی معاہدے کو دوبارہ نافذ کرنے کے مطالبے کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس ملاقات کے بعد فاروق عبداللہ نے بعض اخبارات کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ انہیں اب دہلی حکومت کے وعدوں پر اعتماد نہیں رہا۔ وہ گفتگو کے دوران وزیراعظم کی "خاموش رہنے" کی پالیسی سے بھی خفا نظر آرہے تھے۔

سیف الدین سوز سابق ممبر پارلیمنٹ اور ممبر نیشنل کانفرنس نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں اپنی پارٹی کے موقف کی وضاحت کی ہے ۔ وہ بھی حکومت سے انتخاب سے قبل 1952ء کا معاہدہ نافذ کرنے کی بات کر رہے ہیں ۔ ان کے بقول ریاست کے عوام تشدد سے بیزار ہو چکے ہیں اور امن چاہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انہیں ان کی قربانیوں کا صلہ بھی ملے ۔ حکومت کا معاشی "پیکیج" بلاشبہ حوصلہ افزا ہے لیکن سوز صاحب کے بقول عوام اس سے کہیں زیادہ "سیاسی صلے" کے خواہشمند ہیں جو ان کے نزدیک یہ ہے کہ 1952ء کے دہلی معاہدے کو نافذ کر کے ریاست کے عوام کو مزید خودمختاری دے دی جائے ۔ واضح رہے کہ اس معاہدے کی رو سے ریاست کا ایک وزیراعظم اور صدر ریاست ہوگا اور دفاع، مواصلات اور خارجہ پالیسی کے علاوہ سارے معاملات کا انتظام انہیں کے ہاتھ میں ہوگا۔

دراصل حکومت اور فاروق عبداللہ میں آنکھ مچولی چل رہی ہے ۔ حکومت کو اندازہ ہے کہ نیشنل کانفرنس کی شرکت کے بغیر انتخابات بے معنی ہوں گے اور پہلے کی طرح پھر ایک بار انہیں کچھ وعدوں کے سہارے بے وقوف بنانا چاہتی ہے ۔ لیکن فاروق عبداللہ کو اب اپنی اہمیت کا احساس ہو رہا ہے ۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کشمیر میں وہ انتہائی غیر مقبول ہیں اور انہیں دوبارہ عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کچھ کر کے دکھانا ہوگا۔ ان کے نزدیک یہ کام اسی شکل میں ممکن ہے کہ 1952ء کے دہلی معاہدے کو دوبارہ زندگی دے کر ریاست کو مزید خودمختاری دے دی جائے ۔

وزیر داخلہ نے فاروق عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے اس مطالبے کو مسترد کر دیا ہے ۔ چوان صاحب کا کہنا ہے کہ 1952ء کے معاہدے کو دوبارہ زندہ کرنے کی گفتگو صرف منتخب نمائندوں سے ہو سکتی ہے ۔ ایسا لگتا ہے کہ حکومت فاروق عبداللہ کو کچھ دئے بغیر اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔

لیکن فاروق عبداللہ اس "استعمال ہونے" کے موڈ میں نظر نہیں آتے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یا ان کی پارٹی نے کل جماعتی میٹنگ میں شرکت نہیں کی۔ یہ میٹنگ وزیر داخلہ نے کشمیر میں انتخابات کے سلسلے میں بلائی تھی۔ حکومت کے اس نقطہ نظر کی ہر پارٹی نے تائید کی کہ انتخابات ہونے چاہئیں لیکن وقت کے تعین کے سلسلے میں اختلاف تھا ۔ جنتا دل کے جے پال ریڈی کا کہنا تھا کہ انتخابات فاروق عبداللہ کی شمولیت کے بغیر بے معنی ہوں گے کیوں کہ انہیں کی پارٹی کا وہاں تھوڑا بہت اثر باقی رہا ہے ۔ اس بات کی تائید تمام ہی پارٹیوں نے کی ۔ کمیونسٹ پارٹیوں نے تو یہ مطالبہ بھی کیا کہ فاروق

باقی صفحہ ۱۸ پر

بوسنیا میں نفاذ امن، امریکی دم خم کا امتحان

1914ء میں سربیائی قوم پرستی کی بھینٹ چڑھنے والے آرک ڈیوک فرانز فرڈی نانڈ اور اس کی بیوی کی قتل گاہ "سراجیو" کو ناک ہاؤس امریکی ثالث رچرڈ ہال بروک کی نظر میں اس صدی کی آخری بلقان جنگ کے خاتمہ کے سلسلے میں گفت و شنید کو نیا رخ دینے کا مرکز بن گیا۔ ہال بروک اپنے رفقاء اور سراجیو کے حکام کے ساتھ بوسنیا میں نئے امریکی سفیر کی تنصیبی تقریب میں شریک تھے ۔ یہ وہی سفیر ہیں جنہوں نے سربیائی مظالم کے تئیں امریکہ کی خاموشی کے خلاف ایک احتجاجی مراسلے پر دستخط ثبت کئے تھے اور اس کے جواب میں امریکہ ایک لائحہ عمل کی تلاش میں بزور بازو دوبارہ اس معاملہ میں دخیل ہو گیا۔ سفیر کو یہی مقصود تھا۔ ہال بروک نے لوہا گرم دیکھ کر سراجیو کی حکومت کو جنگ بندی پر راضی کرنے کی ٹھان لی۔ تقریب ختم ہوتے ہی صدر علیجاہ عزت بیگووچ کو ہال بروک اور ان کے حواریوں اور بوسنیائی وزیر خارجہ محمد سقیربے نے ایک طرف لے جا کر سوال کیا کہ کیا تم جنگ بندی چاہتے ہو بیگووچ کا جواب اثبات میں تو تھا لیکن انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ابھی نہیں۔

جنگ بندی کو موخر وہ اس لئے کرنا چاہتے تھے کہ ان کے فوجی کمانڈروں کو مغربی بوسنیا میں اگلے چند دونوں میں کسی بڑی کامیابی کی توقع تھی۔ وقت کی نزاکت کا جب انہیں زیادہ ہی احساس دلایا گیا تو انہوں نے چند گھنٹوں کی مہلت چاہی تو اس پر ایک امریکی خفیہ رپورٹ کا پانسہ پھینکا گیا جس کی رو سے بیگووچ کو بڑی خطرناک صورت حال کا سامنا تھا اور پھر جنگ بندی کی شرائط پر گفتگو ہونے لگی۔ اس واقعہ سے کچھ ہی دن پہلے ہال بروک بلغراد کے ایک ہوٹل میں سربیائی لیڈر سلوبودون ملوسوک سے ملاقات کے لئے جانے کے انتظار میں بیٹھے تھے جہاں انہوں نے بہت سی باتیں کھیل میں مستعمل استعاراتی زبان میں کیں۔ مثلاً فٹ بال کے حوالے سے انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ان کی ٹیم آہستہ روی سے میدان میں آگے بڑھ رہی ہے جس کے تحت وقتی طور پر سراجیو پر سے محاصرہ اٹھا لیا گیا ہے ۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا HailMary پاس دے کر عام جنگ بندی امن کانفرنس کے لئے تیار ہو لیا جائے ۔ اس کے بعد انہوں نے ٹینس کی اصطلاح میں گفتگو شروع کر دی اور یہ کہا کہ گیند پر ضرب لگانے کا صحیح موقع وہ ہوتا ہے جب وہ ہوا میں معلق ہو نہ اوپر کی طرف جاتی ہوئی اور نہ گرتی ہوئی۔ اب ہمیں محاذ جنگ پر اسی توازن کو برقرار رکھنا ہے۔

ملوسوک نے صحیح معنوں میں امریکیوں کو ایسا بنیادی حربہ فراہم کر دیا جس کی مدد سے امریکی ثالث اپنا کام انجام دے سکیں۔ ہال بروک اور ان کے ساتھیوں کو کوئی خاص امید نہیں تھی ۔ بوسنیائی حکومت بوسنیائی سرب لیڈروں سے مذاکرات پر آمادہ نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن ناٹو کے فضائی حملوں سے پریشان حال سربیاؤں کے لئے کوئی حل نکال لانے کے لئے مضطرب تھے ۔ آخر 30 اگست کو میلوسیوک نے بشمول خوفناک ردوان کراجیک اور خراب تر جنرل رادکو ملاوک کے بوسنیائی سربوں کی طرف سے دستخط شدہ ایک

دستاویز ہال بروک کے حوالے کی جس کے تحت میلوسیوک کو ان کی نمائندگی کا اختیار دیا گیا تھا۔

یہیں سے پرزور میٹنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میلوسیوک کے مضافاتی بنگلے پر تیرہ گھنٹے طویل میٹنگ میں تمام سربیائی لیڈر موجود تھے ۔ ہال بروک اور میلوسیوک ایک طرف بات چیت کر رہے تھے اور اس دوران لیفٹیننٹ جنرل کلاسک مجوزہ سراجیو معاہدہ باواز بلند پڑھ کر سنا رہا تھا۔ ملادوک کی طرف سے بیچ بیچ میں احتجاج کا اظہار ہو رہا تھا جسے سن کر ہال بروک اس طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ جناب صدر! ہم دوراہے پر کھڑے ہوئے ہیں ایک راستہ مذاکرات کی طرف لے جاتا ہے اور دوسرا جنگ اور تباہی کی طرف ۔ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب آپ کو کرنا ہے ۔ غرضیکہ خاصی چیخ پکار رہی ۔ تاہم بوسنیائی فریق کی جانب سے معاملے کو زیادہ الجھایا جا رہا تھا کیونکہ عزت بیگووچ صقیربے اور وزیراعظم حارث سلاجزک میں کسی فیصلے پر اتفاق نہیں ہو پا رہا تھا اور ان معاہدوں سے کئی بار منحرف ہو چکے تھے جو امریکیوں کے نزدیک کافی پہلے طے پا چکے تھے ۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے صقیربے نے کہا تھا کہ ہمیں ایسی جنگ بندی منظور نہیں جو ملادک کو یہ کہنے کا موقع دے کہ مغرب میں بوسنیائی پیش رفت کو انہوں نے روکا۔ حالانکہ اس وقت تک امریکن ٹیم کو یہ خفیہ رپورٹ مل چکی تھی کہ سربیائی فوجی جلد ہی بوسانسکی پڑواک قصبے تک پہنچ جائیں گے جس سے حکومتی قبضہ والے علاقہ کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے ۔ یہی پیغام جنرل کلادک نے کوناک ہاؤس کی تقریب کے دوران بھی دیا تھا اور جب اس دن بوسنیائی لیڈران مذاکرات کی میز پر آئے تو وہ جنگ بندی کی بنیادی شرائط پر گفت و شنید کے لئے آمادہ ہو گئے جس میں سراجیو کو گیس اور بجلی کی فراہمی۔ محصور گورادزے کو جانے والی سڑک کے کھولے جانے جیسے نکات شامل تھے ۔ ہال بروک نے یہ شرائط بلغراد تک پہنچائیں جہاں ان کے نائب کرسٹوفر ہل صقیربے کے ساتھ جنگ بندی کی اہم بنیاد پر غور و خوض کر رہے تھے ۔ آخر طویل حجت کے بعد میلوسیوک نے دو صفحات پر مشتمل معاہدے پر دستخط کئے ۔
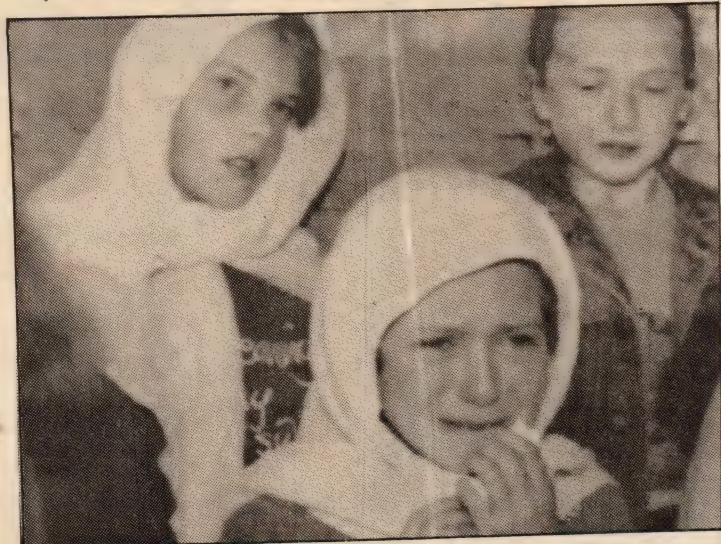
معاہدہ ہو تو گیا لیکن بہت ہی کمزور جسے پوری طرح محفوظ نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام فریق یکجا نہیں بلکہ الگ الگ بیٹھیں گے جس کے لئے مقام کا تعین ابھی ہونا ہے اور

باقی صفحہ ۱۲ پر

جھوٹا شخص حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرلیتا ہے اور اپنی ہی نظروں میں گر جاتا ہے

قول و عمل کے تضاد نے مسلمانوں کو محرومی کی تاریکی میں گم کردیا

تقوی اور ہرحال میں اللہ عزو جل پر بھروسہ مومن کے لئے ہر مصیبت سے نجات اور دنیا و آخرت کی سعادت و فلاح کی کلید ہے۔ تقوی کی صفات تک رسائی کا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و اخلاق ہیں جو انسانیت کے لئے ہمیشہ مشعل راہ بنے رہیں گے۔ اور دنیا انہیں اختیار کرکے خود کو مفسدات و منکرات سے اپنی حفاظت کرتی رہے گی اور اپنی عاقبت سنوار سکے گی۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب تک امت مسلمہ دین حق کے اصولوں پر کاربند رہی اپنے امور و معاملات میں شریعت اسلامی کو اپنا شعار بنایا، انفرادی، عوامی اور انتظامی سطحوں پر احکام اسلامی کی روشنی میں فیصلے کئے اس وقت تک وہ فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوتی رہی۔

کامرانی و نصرت کے لئے ضروری ہے کہ جسے ہم محترم و معظم سمجھیں اس کے احکامات پر عمل کریں۔ یہ احکام اللہ کی طرف سے ہوسکتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوسکتے ہیں، انبیاء و صلحاء اور مقرب بندوں کی طرف سے ہوسکتے ہیں۔ ان تمام احکامات کا مقصد بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ اس کی ایک مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے دی جاسکتی ہے کہ غصہ کرنا مومن کو زیب نہیں دیتا کیونکہ اس کے نتائج ہمیشہ برے نکلتے ہیں اور اس کے بے پناہ نقصانات ہیں۔ اسی لئے غصے کی حالت میں انسان کے جو جی میں آئے اس پر عمل کرنے سے باز رہنا چاہئے بلکہ اپنے نفس پر قابو پائے تاکہ غضبناکی رفع ہوجائے۔ اسی طرح جھوٹ بولنے کے نتائج سے مختلف پیرایوں میں خبردار کیا گیا ہے۔ کذب گوئی بندے کے ایمان کی کمزوری کا اظہار ہے۔ جھوٹ بولنے والا شخص خود اپنی ہی نظر میں گرجاتا ہے اور اس کے دل سے خیر اور عمل صالح کا جذبہ مفقود ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے ذاتی مفاد کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرلیتا ہے یہاں تک کہ تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرنے لگتا ہے۔ بغیر عمل کے قول بھی کذب کی ہی ایک قسم ہے اور قول و عمل کا تضاد دینی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے مذموم ہے۔ کرہ ارض پر آباد مسلمان ذلت و محرومی کی تاریکی سے اسی وقت نکل سکتے ہیں جب وہ اپنے قول و عمل کے اس تضاد پر قابو پالیں۔ آج بوسنیا ہو یا فلسطین، کشمیر ہو یا برما، فلپائن ہو یا چیچنیا ہر جگہ برادران اسلام پر جو کچھ گزر رہی ہے اسے ان کی بے عملی کی پاداش ہی تو کہا جاسکتا ہے۔

عورت جو اسلام سے قبل مظلوم و مقہور تھی اسے کسی طرح سے حرمت و عظمت حاصل نہیں تھی اسلام نے حیاء، عصمت اور عفت سے متصف کیا۔ اسے نسل انسانی کی نجابت کا امین ٹھہرایا اور اسی لئے عورت اور مرد کے مابین ازدواج کا مقدس رشتہ قائم کرکے اس کے ناجائز تصرف کو خیانت قرار دیا لیکن آج دشمنان اسلام عورت کو سبز باغ دکھاکر اسے مظلومیت اور مقہوریت کے مقام پر پھر واپس بھیجنے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور اسے تمام فضیلتوں سے محروم کرنے کی اس سازش میں امت مسلمہ کا تعاون چاہتے ہیں۔ مسلمان کو اعداء اسلام کے اس منافقانہ عمل میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے برعکس ہمارا عمل یہ ہو کہ ہم نبی صلعم کے اسوہ مبارکہ کو اختیار کرتے ہوئے اپنے اندر اسلامی شعائر کے احترام کا جذبہ پیدا کریں۔ اپنے اخلاق کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اس کی تعلیمات کو سمجھیں اور اس کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی صدق دل سے کوشش کریں اور اپنے لواحقین کو بھی اس طرف مائل کریں اور حیاء اور پاکدامنی کو ہرگز نہ چھوڑیں اس لئے کہ یہ مومن کی زینت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس قرب کا حصول مرد و عورت دونوں کے لئے ممکن ہے۔ موخرالذکر اپنی خانگی ذمہ داریوں اور اللہ کے حقوق کی اور عبادات کی ادائیگی کرکے اس فضیلت کی حقدار ہوسکتی ہے۔ ایک دفعہ کسی عورت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر جہاد، نفقہ، با جماعت نمازوں، جمعہ کے حوالے سے مردوں کی برتری کے بارے میں استفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھرداری اور بچوں کی نگہداشت کی ذمہ داریاں مردوں کی فضیلت کے برابر ہوجاتی ہیں بلکہ اس سے تجاوز بھی کرجاتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا حق بجانب نہ ہوگا کہ اللہ نے عورت کے فضائل کا پہلو ہلکا رکھا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ ضابطوں کے مطابق صحت مند معاشرے کی تعمیر میں تعاون دے۔

> جھوٹ بولنے والا شخص خود اپنی ہی نظر میں گرجاتا ہے اور اس کے دل سے خیر اور عمل صالح کا جذبہ مفقود ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے ذاتی مفاد کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرلیتا ہے۔ کرہ ارض پر آباد مسلمان ذلت و محرومی کی تاریکی سے اسی وقت نکل سکتے ہیں جب وہ اپنے قول و عمل کے اس تضاد پر قابو پالیں۔

وہ اپنی بیویوں سے ایسی توقعات رکھتے ہیں گویا وہ ان کی لونڈیاں ہوں

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال:۔۔۔ شیخ الغزالی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بعض لوگ اس خیال کے حامل ہیں کہ کوئی عورت اپنی قوم کی سربراہ ہوسکتی ہے۔ دوسری طرف ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ اس موضوع سے متعلق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورت کی سربراہی کے خانگی سطح پر اطلاق کی طرف اشارہ ہے۔ بالفاظ دیگر خاندان یا گھر کا ذمہ دار باہر جاتے ہوئے اگر گھریلو انتظامات کی ذمہ داری عورت کو سونپ جاتا ہے تو اس گھر کی ترقی و خوشحالی کا انداز وہ نہیں رہ جائے گا جو کہ مرد کی موجودگی میں تھا۔ اسی طرح اگر کوئی قوم عورت کے ہاتھ میں زمام حکومت دیتی ہے تو وہ بھی ترقی و خوشحالی کے مقاصد کو حاصل نہیں کرپائے گی؟

جواب:۔۔۔ عورت کی سربراہی کے سلسلے میں وارد حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا محض ذاتی اور خانگی سطح پر اطلاق کرنے والوں کے پاس کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صریحا قوم کا حوالہ دیا گیا ہے نہ کہ کسی شخص یا خاندان کا۔ لہذا اس کے دائرہ کار میں کسی قوم کی پوری اجتماعی زندگی شامل ہے۔ اس کے اطلاق کی حدود کو وسعت دینے کی غرض سے ہمیں وسیع بنیاد بھی فراہم کرنی ہوگی اور ایسی کسی بنیاد کا وجود ہے نہیں۔ لہذا یہ دعوی کرنا کہ حدیث کا سروکار محض فرد یا خاندان سے ہے انصاف پر مبنی نہیں ہے۔

ایک بات یہ بھی غور طلب ہے کہ اسلام کا تصور خاندان مسلمانوں کے عام تصور سے کافی مختلف ہے جس کے تحت وہ مرد کو آقا کی حیثیت دے دیتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل سے اس تصور کی تائید نہیں ہوتی۔ ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے استفسار کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کیسی تھی یعنی اہل خانہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا برتاؤ تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لباس پر خود پیوند لگاتے تھے، اپنے جوتے کی مرمت کرتے تھے اور گھر کی ضروریات کی چیزیں خود لاتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں اور اس دور کے بیشتر مسلمانوں کے طریقہ کار میں زمین آسمان کا فرق ہے جو اپنی بیویوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کی ہر خواہش پوری کرتی رہیں گویا کہ وہ ان کی بیویاں نہیں لونڈیاں ہیں۔

مزید یہ کہ شیخ الغزالی جو ہمارے عہد کے نمایاں اور مستند دانشوروں میں شمار کئے جاتے ہیں انہوں نے صرف اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ وہ حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ جو قوم اپنے ملکی معاملات عورتوں کے سپرد کرتی ہے خوشحالی سے محروم رہے گی، ممکن ہے ایرانی سلطنت کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ الغزالی کی رائے کی حد درجہ اہمیت ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایرانی فرمانروا کی موت کی اطلاع پاکر مذکورہ بالا قول ارشاد فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کہ تاریخ عالم میں ایسی بہت سی عورتوں کے نام آتے ہیں جن کے حسن انتظام کے طفیل ان کی قوموں نے قابل ذکر ترقی کی۔ اگر حدیث مذکورہ کا عام اور وسیع پیمانے پر اطلاق کیا جائے تو ایسی مثالی عورتوں کے کارناموں کے لئے کیا کہا جائے گا۔ قرآن کریم میں ملکہ صبا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بڑی سوجھ بوجھ کی خاتون تھیں اور اس کی تصدیق قرآن ہی میں مذکور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ان کے حسن سلوک کے واقعے سے ہوتی ہے۔ ملکہ صبا کی دانشمندی سے ان کی قوم نے بھرپور فائدہ اٹھایا کیوں کہ اس نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بتائے ہوئے الوہی عقیدے کو قبول کرلیا۔ وہ قوم ہر اعتبار سے خوشحال ہوئی۔

> تاریخ عالم میں ایسی بہت سی عورتوں کے نام آتے ہیں جن کے حسن انتظام کے طفیل ان کی قوموں نے قابل ذکر ترقی کی۔ اگر حدیث مذکورہ کا عام اور وسیع پیمانے پر اطلاق کیا جائے تو ایسی مثالی عورتوں کے کارناموں کے لئے کیا کہا جائے۔ قرآن کریم میں ملکہ صبا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بڑی سوجھ بوجھ کی خاتون تھیں۔

سوال:۔۔۔ انشورنس کا مقصد سماجی تحفظ فراہم کرنا ہے اور اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ جائز ہے۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ممالک ہیں جہاں انشورنس کمپنیاں اپنے گاہکوں سے وصول شدہ پریمیم کی رقوم کو سود آور سیکورٹیوں میں لگاتی ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کمپنیوں کی پالیسی خریدنا جائز نہیں۔ نیز یہ کہ جو رقم پالیسی ہولڈر کو آخر میں حاصل ہوتی ہے وہ طے شدہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ بیمہ شدہ رقم اور بنیادی طور پر سود کی شکل میں لگنے والے بونس پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور ایک سوال یہ بھی ہے کہ اگر مقصد سماجی تحفظ ہے تو کسی خاندان میں صرف اس کے سرپرست یعنی شوہر کو انشورنس پالیسی لینی چاہئے نہ کہ اس کی بیوی اور بچوں کو بھی؟

جواب:۔۔۔ یہ طے کرنا افراد کی ذمہ داری ہے

بقیہ: صفحہ ۱۸ پر

کیا ہے کمپیوٹر ماؤس اور کیسی ہے اس کی صلاحیت

ماؤس کمپیوٹر کی یادداشت کو کرید کر مطلوبہ منزل تک رسائی میں ہماری مدد کرتا ہے

اگرچہ "کی بورڈ" آج بھی ٹائپنگ کا موثر ترین وسیلہ ہے مگر "گرافک یوزر انٹرفیس" (جی یو آئی) کمپیوٹری احکامات کو زیر عمل لانے میں کی بورڈ کے استعمال میں تیزی سے کمی آئی ہے اور اس کی جگہ چند بٹنوں اور تار کے ذریعے کمپیوٹر سے مربوط "ماؤس" نے لے لی ہے۔ فنی اعتبار سے یہ دخول معلومات کی ایک تدبیر یا آلہ ہے اور کی بورڈ کی ہی حیثیت رکھتا ہے۔ صارف چونکہ سیکڑوں کمانڈز یا احکامات کو یاد نہیں رکھ سکتا اس لئے ماؤس کا کام کمپیوٹر کی یادداشت کو کرید کر مطلوبہ احکام تک اس کی رسائی کو ممکن بناتا ہے۔ ماؤس کے افعال کو میکانکی اور الیکٹرونی دو زمروں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ میکانکی حصہ پندرہ ملی میٹر قطر کی ربڑ کی گیند، تین گول بیرنگ اور دو تیلی دار چکریوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ماؤس کے بٹن مائیکرو سوئچ کے اوپر لگے رہتے ہیں جن میں سے کسی بٹن کے دبائے جانے یا ریلیز کئے جانے پر "کلک" کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ عین ماؤس کے نیچے لگی ہوئی ربڑ کی گیند ذرا باہر کو نکلتی رہتی ہے اور جس سطح پر وہ رکھا ہوا ہو اس سے ماؤس کا رابطہ قائم رہتا ہے۔ عمدہ نتائج کے لئے اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ یہ سطح ہموار ہو اور جتنی جگہ میں ماؤس حرکت کرتا ہے اس پر اس کی رگڑ بھی یکساں طور پر پڑے۔ اسی لئے فوم ربڑ کے بنے ہوئے ماؤس پیڈ بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

ماؤس کے افعال کو میکانکی اور الیکٹرونی دو زمروں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ میکانکی حصہ پندرہ ملی میٹر قطر کی ربڑ کی گیند، تین گول بیرنگ اور دو تیلی دار چکریوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

ربڑ کی گیند ایک محدود خول کے اندر گھومتی ہے جو تین کمانیوں پر ٹکی ہوتی ہے ایک بیرنگ ماؤس کی لمبائی والے سرے پر ہوتی ہے اور دوسری اس کے عمودی رکھی ہوتی ہے۔ یہ کمانیاں معمولی گیئر کی مدد سے ماؤس کے اندر کی تیلی دار چکریوں سے جڑی رہتی ہیں۔ تیسری کمانی جو پہلی دو کمانیوں سے یکساں فاصلے پر ہوتی ہیں ان کی ضرورت گیند کو آسانی سے گھمانے کے لئے پڑتی ہے۔ اس مرحلہ تک ماؤس کے عمل کو گولی کھیلنے یا کرکٹ کی گیند پھینکنے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اصل کام اسی وقت شروع ہوتا ہے جب اس کی حرکت کو الیکٹرونی اشاروں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ ان اشاروں یا سگنلوں کی رفتار کا تناسب 1.00 ہوتا ہے تاکہ کمپیوٹر ان کو باسانی سمجھ سکے۔ بصریات کا عمل بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ زاویہ قائمہ پر نصب دو کمانیاں گیند کی گردش کو عمودی اور بغلی یا متوازی شاخوں میں منقسم کردیتی ہیں۔ ماؤس میں لگا گیئر دونوں تیلی دار چکریوں کو حرکت میں لاتا ہے۔

چکریاں دو آپٹیل سنسروں کے خول میں فٹ ہوتی ہیں اور ان میں Led فوٹو ٹرانسسٹر یونٹ بھی لگے ہوتے ہیں۔ جب چکری گھومتی ہے تو تیلیاں Led سے نکلنے والی روشنی کی شعاعوں کا راستہ روک لیتی ہیں۔ اس کے زیر اثر فوٹو ٹرانسسٹر سے پیدا ہونے والا کرنٹ کبھی صفر یعنی گہرا سیاہ تو کبھی پورا یعنی چمکدار ہوتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں کمپیوٹر پر الیکٹرونی دھڑکنیں ظاہر ہوتی ہیں۔

چکریاں جتنی تیزی سے گھومیں گی انفرادی

ماؤس کے عمل کو گولی کھیلنے یا کرکٹ کی گیند پھینکنے کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اصل کام اسی وقت شروع ہوتا ہے جب اس کی حرکت کو الیکٹرونی اشاروں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ ان اشاروں یا سگنلوں کی رفتار کا تناسب 1.00 ہوتا ہے

الیکٹریکل پلس اتنی ہی مختصر ہوگی کیوں کہ روشنی کی شعاع کی راہ میں رکاوٹ کا وقفہ مختصر ہوتا ہے۔ اس طرح الیکٹریکل پلس کا وقفہ دونوں سمتوں میں ماؤس کی حرکت کی رفتار کی شرح ظاہر کرتا ہے اور اس کے ذریعہ طے کیا گیا فاصلہ ریکارڈ کی گئی پلسوں کے تناسب میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد مرحلہ آتا ہے الیکٹرونی پلسوں کے پروسس ہونے کا۔ یہ عمل ماؤس کے اندر موجود ایک Chips انجام دیتا ہے جسے VLSI کہتے ہیں۔ VLSI پلسوں کو Bytes میں تبدیل کرتا ہے اس طرح کہ X اور Y سمتوں میں رفتار فی سکنڈ، حرکت اور فاصلے کی نمائندگی ہوتی رہے۔ دوسرے Byte میں جوڑے دار یا بائنری ترتیب میں بٹن کی مختلف حالتوں کے بارے میں معلومات محفوظ ہوتی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

00۔ دونوں ریلز، 01۔ بایاں بٹن دبا ہوا
10۔ داہنا بٹن دبا ہوا، 11۔ دونوں بٹن دبے ہوئے

اس طرح دو بٹن والے ماؤس میں چار الگ الگ حالتوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ تین بٹن والے ماؤس میں آٹھ حالتوں کو ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ ☆☆

ہمارے آپ کے دفتروں میں دنیا کے تیز ترین کمپیوٹر کی آمد

بین الاقوامی تجارتی ادارے انٹل کارپوریشن کو امریکی ڈپارٹمنٹ آف انرجی کی طرف سے دنیا کے سریع ترین سپر کمپیوٹر تیار کرنے کا ٹھیکہ حال ہی میں ملا ہے۔ تقریباً 45 ملین ڈالر کی لاگت سے تیار کردہ مشین سے آراستہ ایسے ہر کمپیوٹر میں "انٹل" کے مستقبل قریب میں بن کر تیار ہونے والے نو ہزار مائیکرو پروسیسر استعمال ہوں گے جو ایک ترتیب سے باہم مربوط ہوتے ہیں اور اسی لئے کثیر متوازی کہلاتے ہیں۔

حالیہ چند سالوں میں کثیر متوازی کمپیوٹروں نے جن میں ہزاروں معمولی قیمت کے متروک Chips استعمال ہوتے ہیں کارکردگی میں روایتی سپر کمپیوٹروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ جن میں لگے ہوئے مائیکرو پروسیسر تو تعداد میں چند ہی ہوتے ہیں لیکن بہت طاقتور ہوتے ہیں۔

انٹل کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق یہ سپر کمپیوٹر اپنی نوعیت کی پہلی مشین ہوگی جو ایک سیکنڈ میں ایک ٹریلین سے زیادہ Floating PointOperation کو کیلکولیٹ کرنے کا نشانہ پورا کرے گا۔ یہ کمپیوٹر نمائش کے لئے البوقرق (نیو میکسیکو) کی سنڈیا نیشنل لیباریٹریز میں رکھا جائے گا اور اس کا استعمال ڈپارٹمنٹ آف انرجی کی طرف سے پیچیدہ مسائل کے مطالعے میں کیا جائے گا جن میں نیو کلیائی اسلحوں کی حفاظت کا کام سرفہرست ہے۔ جیسا کہ امریکی انرجی پروگرام سے وابستہ ذمہ داران کا کہنا ہے کہ صدر بل کلنٹن نے زیرزمین نیو کلیائی تجربات کا سلسلہ ختم کرنے کا عزم کرلیا ہے۔ ان ذمہ داران کا خیال ہے کہ کمپیوٹر Simulation سے امریکی نیو کلیائی تدابیر کی حفاظت، بھروسہ مندی اور اثر پذیری کے تیقن کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگا۔ اعلی کارکردگی والی کمپیوٹری سہولتوں کو ترقی یافتہ شکل دینے کا ایک دس سالہ منصوبہ امریکی حکومت کے پیش نظر ہے جس کا مقصد قومی تحفظ کے متعینہ نشانے کا حصول ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈسک ٹاپ پرسنل کمپیوٹروں میں مستعمل چپس کو کام میں لاتے ہوئے آج کی دنیا کے سریع ترین کمپیوٹر کے مقابلے میں دس گناہ طاقتور کمپیوٹری نظام وضع کیا جاسکتا ہے۔

انٹل کارپوریشن کے لئے یہ تجارتی معاہدہ کثیر آمدنی کا ذریعہ تو ہے ہی لیکن اس سے بھی اہم عالمی بازار میں اسے ملنے والی مقبولیت اور شہرت ہے۔ اگرچہ انٹل کے سپر کمپیوٹروں کی تجارت کمپنی کی مجموعی فروخت کا ایک چھوٹا حصہ ہے لیکن اس کے بنائے ہوئے مائیکرو پروسیسروں کی ساکھ کو مضبوط کرنے میں ان سپر کمپیوٹروں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ مائیکرو پروسیسر چھوٹی یا بڑی کمپیوٹری ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تاہم ابھی تک انٹل کے سپر کمپیوٹروں میں ایسے مائیکرو پروسیسروں کا استعمال ہوتا ہے جو پرسنل کمپیوٹروں میں لگے ہوئے مائیکرو پروسیسروں سے یکسر مختلف ہیں۔ انٹل کے Pentium مائیکرو پروسیسر کی جگہ لینے والے 6P مائیکرو پروسیسر کی تیاری اس ایک سال کے اواخر تک شروع ہوجائے گی اور تبھی اس کو کوئی تجارتی برانڈ بھی دیا جاسکے گا۔ 6P کی تشکیل میں تنوع اور تہہ داری کے پہلو پر خاص توجہ دی گئی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈسک ٹاپ پرسنل کمپیوٹروں میں مستعمل Chips کو کام میں لاتے ہوئے آج کی دنیا کے سریع ترین کمپیوٹر کے مقابلے میں دس گنا طاقتور کمپیوٹری نظام وضع کیا جاسکتا ہے۔

بقیہ۔کشمیر میں ہنگامہ آرائی بے معنی—

عبداللہ کے مطالبے کو مان کر 1952ء کا معاہدہ از سرنو نافذ کردیا جائے۔ لیکن بی جے پی نے اس کی مخالفت کی۔ بی جے پی کا یہ بھی کہنا تھا کہ جموں و کشمیر میں ابھی حالات انتخابات کے لئے سازگار نہیں ہیں لیکن اگر حکومت اس پر ضد کرتی ہے تو وہ اس میں شرکت کرے گی۔

کشمیر میں انتخابات کے تئیں حتمی فیصلہ وزیراعظم کے بیرونی ممالک سے دورے کے بعد ہی ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ کانگریس کشمیر میں وہی کھیل کھیلنے کی کوشش کرے جو اس سے قبل پنجاب میں ہوچکا ہے۔ لیکن پنجاب کی بہ نسبت کشمیر کے مسلح جنگجو اپنے عوام میں غیر مقبول نہیں ہیں۔ توقع ہے ان کے بائیکاٹ کی اپیل پر عمل کریں گے اور اکثر پولنگ بوتھ پر کوئی ووٹ بھی ڈالنے نہ آئے گا۔ اور اگر فاروق عبداللہ بھی ان انتخابات کا بائیکاٹ کردیں تو پورا انتخابی ہنگامہ بے معنی ہوکر رہ جائے گا۔ واضح رہے کہ یہ انتخاب جب بھی ہوگا سارے جہاں کا پریس یہاں پہنچ جائے گا۔ زبردست عوامی بائیکاٹ، جس کی امید ہے، حکومت کی بین الاقوامی ساکھ کو متاثر کرسکتا ہے

بقیہ: فقہی سوال و جواب

کہ جس کمپنی کی پالیسی وہ لے رہے ہیں وہ اپنی رقوم و املاک کو سودی کاروبار میں نہیں لگارہی ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کیونکہ اگر سود کا کوئی عنصر بھی جائز کاروبار میں داخل ہوگیا تو وہ سب حرام ہوجائے گا۔ اسی لئے پالیسی خریدتے وقت ایسی کمپنی کا انتخاب کرنا چاہئے جو اپنی رقم غیر سودی کاروبار میں لگاتی ہو۔ صرف خاندان کے سرپرست یعنی شوہر تک بیمہ کو محدود کرنے کی بات کی حمایت اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ صرف خاندان کے سرپرست کی موت یا کوئی ناگہانی حادثہ ہی اس خاندان کو مالی اور دیگر مشکلات میں مبتلا نہیں کرتا بیوی اور چھوٹے بچوں کی ماں کے فوت ہوجانے سے بھی کسی خاندان کو یکساں مسائل کا سامنا ہوسکتا ہے۔ فرض کرلیجئے کہ کسی شخص کی بیوی کا انتقال کم عمری میں ہوجائے اور وہ اپنے پیچھے دو چھوٹے بچے چھوڑ جاتی ہے۔ اس کے شوہر کے ذہن میں یہ خیال آسکتا ہے کہ اس کے بچوں کے حق میں زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ وہ دوبارہ شادی کے خیال کو موخر کردے کیونکہ اسے خوف ہے کہ اس کے بچوں کی دیکھ ریکھ قابل اطمینان طور پر نہیں ہوپائے گی۔ اب بیوی کے نہ ہونے کی بناء پر خانہ داری کی ذمہ داریاں بھی اسے نبھانی ہیں یقیناً اسے کسی کی مدد درکار ہوگی جس کے لئے اسے مزید مصارف برداشت کرنے ہوں گے۔ اگر اس کی بیوی کے پاس بھی پالیسی ہوتی تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے اضافی خرچ کو پورا کیا جاسکتا تھا۔ ☆☆☆☆☆

نئی کتاب

ہند پاک تعلقات ایک سرنگ میں پھنس گئے ہیں

کے نٹور سنگھ کا تبصرہ

کیا وہ دن کبھی آئے گا جب جوش کے بجائے ہوش کی باتیں ہوں گی

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔ (ادارہ)

پچھلے دنوں میرے ایک دوست نے پاکستان میں شائع ہونے والی سردار شوکت حیات خاں کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب "دی نیشن دیٹ لاسٹ اٹس سول" دی۔ شوکت حیات خاں جن سے میں 1980ء کی دہائی میں پاکستان میں ہندوستانی سفیر کی حیثیت سے قیام کے دوران متعارف ہوا تھا۔ مذکورہ مصنف کے چچا لیاقت حیات خاں 1930ء کی دہائی میں پٹیالہ کے مہاراجہ بھوپندر سنگھ کے وزیراعظم رہ چکے ہیں۔ شوکت حیات کے والد سر سکندر حیات غیر منقسم پنجاب کے پریمیر تھے اور 1942ء میں پچاس سال کی عمر میں ہی اچانک اس عہدے پر رہتے ہوئے فوت ہوگئے۔ ان کی موت ذاتی اور عوامی دونوں سطحوں پر ایک المناک حادثہ تھی کیونکہ اسی دن شوکت حیات کی شادی ہوئی تھی۔

حیات فیملی راجہ سے اپنی وفاداری کے طفیل انعام و اکرام سے سرفراز ہوکر 1915ء تک جب شوکت حیات پیدا ہوئے متمول زمینداروں کی صف میں آگئی تھی۔ اپنے والد کے انتقال کے وقت شوکت حیات دوران جنگ فوجی ملازمت سے لمبی رخصت پر تھے اس سے قبل وہ اریٹریا میں اطالوی فوج کے ہاتھوں قید کئے جاچکے تھے۔ باپ کی موت کے بعد وہ اپنی جنگی ڈیوٹی پر جانے کے مشتاق تھے لیکن ونسٹن چرچل نے مداخلت کی اور پنجاب کے گورنر 26 سالہ شوکت حیات کو خضر حیات توانہ کی کابینہ میں کوئی منصب دینے کی ہدایت کردی۔ ایسا ہی ہوا لیکن شوکت اس منصب پر زیادہ دن نہ ٹکے اور اس کے بعد ان کے سیاسی کیریر میں بارہا ایسے واقعات ہوئے۔ ان کی صاف گوئی اور احمقوں کو برداشت کرسکنے کی عدم صلاحیت ان کے بھاری بھرکم سیاست داں بننے کی راہ میں حائل ہوئی۔

1943ء میں شوکت حیات کو محمد علی جناح سے قریب آنے کا موقع ملا۔ محمد علی ہوں یا ایوب خاں، ذوالفقار علی بھٹو ہوں یا جنرل ضیاء الحق یا خود شوکت کے رفقاء کار، کتاب کے صفحات میں ہر شخص پر طعن و تشنیع کی بوچھار ہے۔ اگر اپنے قریبی لوگوں میں سے شوکت حیات نے کسی کو بخشا ہے تو وہ صرف لیاقت علی خاں ہیں۔

تقسیم ہند سے آج تک ہمارے پاکستانی دوست بڑی شد و مد سے 48-1947ء میں کشمیر میں اپنی براہ راست مداخلت سے انکار کرتے چلے آرہے ہیں۔ حکومت پاکستان کا دعوی یہ ہے کہ دراندازوں کے معاملے میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے حالانکہ حکومت پاکستان اس معاملے میں گردن تک دھنسی ہوئی تھی اور جس وقت شوکت حیات وزارت کے منصب پر تھے۔ کتاب میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

" مہاراجہ اور ہندوستان کی بے اعتمادی کے پیش نظر ہم نے کشمیر میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ میں وہاں کی کارروائیوں کا سربراہ بنایا گیا۔ میں نے 13 /6ویں فرنٹیر فورس کے بریگیڈیر شیر خاں اور بریگیڈیر اکبر خاں کی خدمات طلب کیں۔ اور یہ درخواست بھی کی کہ ہمیں کچھ اسلحہ رکھنے کی اجازت دی جائے جو لاہور فورٹ میں دیسی ساخت کی رائفلوں کے اسٹاک سے حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے اپنی مدد کے لئے سابق ہندوستانی قومی فوج کے جنرل کیانی، کرنل دارا، تاج محمد خانزادہ کو بھی طلب کیا۔"

چند ہی صفحات کے بعد وہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ "اپنی فاش غلطیوں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہم نے کشمیر ہاتھ سے نکال دیا۔ کشمیر کے لوگ پاکستان کے اقدام پر کافی خوش تھے لیکن قبیلے بے ترتیبی سے پسپا ہوگئے۔"

پاکستانی سربراہان مملکت اور وزراء اعلی کے خلاف شوکت حیات کی چلائی ہوئی مہموں کا ذکر میں یہاں کرنا نہیں چاہوں گا کہ وہ ہماری دلچسپی کے دائرے سے خارج ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مصنف کی مانند ظاہر پرست لوگ بعض ذہنی تعصبات کا شکار ہیں: مثلاً یہ کہ ہندو لوگ پاکستان کے دشمن ہیں اور ان پر کبھی بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ اس منطق کے مطابق مہاتما گاندھی دو اور دو چار کے پھیر میں رہنے والے بنیے سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔

پنڈت نہرو ایک مہذب لیکن ناقابل اعتماد کشمیری پنڈت تھے جو پاکستان کہلانے والے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کے خلاف تھے اور جب وہ وجود میں آگئی تو اسے انھوں نے تباہ کردیا۔

میں نہیں جانتا کہ ہمارے پاکستانی دوست حقائق سے آنکھ ملانا کب سیکھیں گے اور یہ کب سمجھیں گے 1971ء میں پاکستان کو تباہ کرنے میں نہ ہندوستان کا ہاتھ ہے اور نہ ہندوؤں کا بلکہ اگر ہاتھ تھا تو مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کا جن میں سرفہرست ذوالفقار علی بھٹو کا نام ہے۔ بات یہ ہے کہ سردار شوکت حیات خاں کا اعتماد خود اپنے ہی ملک پر سے اٹھ گیا۔ کتاب میں جابجا یہ تاثر دیا گیا ہے کہ پاکستان کی تخلیق مصنوعی تھی۔ ایک ایسا ملک جو دائمی بحران کی نذر ہوگیا اور جسے ابھی اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ جہاں تک پاکستان سے خوشگوار ہمسایانہ تعلقات کی بات ہے تو ہم صرف امید ہی کرسکتے ہیں وہ دن آئے گا جب جوش کی جگہ ہوش کی باتیں ہوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں خواب اور حقیقت کو یکجا کرنا چاہتا ہوں لیکن امید پر دنیا قائم ہے۔

> چند ہی صفحات کے بعد وہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ "اپنی فاش غلطیوں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے ہم نے کشمیر ہاتھ سے نکال دیا۔ کشمیر کے لوگ پاکستان کے اقدام پر کافی خوش تھے لیکن قبیلے بے ترتیبی سے پسپا ہوگئے۔"

آپ کی الجھنیں

تصنع سے بری ہے حسن ذاتی ــــــ قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

معنوی حسن کے آگے ظاہری حسن و جمال بے وقعت

اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی تفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال: میری بیوی دیندار عورت ہے با اخلاق بھی ہے لیکن پستہ قد اور بد صورت ہے۔ میری بہن نے اس کی تعریف کی تھی اس لئے بغیر دیکھے ہوئے میں نے اس سے شادی کرلی۔ وہ میری، میرے والدین اور بہن بھائیوں کی اتنی عزت کرتی ہے کہ آنکھیں بچھاتی ہے اور مجھ سے محبت بھی بہت کرتی ہے لیکن میں اس کے لئے اپنے دل میں محبت نہیں محسوس کرتا بلکہ جب میں اس کی طرف دیکھتا ہوں اور اس کی بدصورتی پر غور کرتا ہوں تو یہ خیال دل میں آتا ہے کہ اسے طلاق دے دوں۔ میں نے اس موضوع پر اپنی والدہ سے گفتگو کی تو انہوں نے صاف انکار کردیا اور مجھ سے کہا کہ اس جیسی دوسری بیوی مجھے مل نہیں پائے گی۔ جب میں نے ماں سے اس کی صورت کا ذکر کیا تو انہوں نے میری بات یہ کہہ کر کاٹ دی کہ وہ تو خوبصورت ہے اور میں ہی عورت کی پہچان نہیں رکھتا اور پستہ قد ہونے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ ماں نے تو مجھ سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میں نے اس عورت کو طلاق دی تو وہ مجھ سے ترک تعلق کرلے گی۔ میں اس معاملے سے سخت پریشان ہوں کہ جو مجھ پر نثار ہورہی ہے میں اس کے لئے ذرا بھی محبت محسوس نہیں کرتا۔ میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں تو میری والدہ اس پر راضی نہیں۔ آج تین سال ہونے کو آئے مجھے اس شادی سے کوئی خوشی حاصل نہ ہوسکی؟

جواب: حسن و خوبصورتی ایک تقابلی قدر ہے اور لوگوں کے نزدیک اس کے مختلف پیمانے اور معیار ہوسکتے ہیں لیکن عموماً اس کے بنیادی تصور سے اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یہاں سائل پر یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ حسن کی دو قسمیں ایک مادی یعنی ظاہری حسن اور دوسرا باطنی یا ذاتی۔ اول الذکر کا تعلق اعضاء کی ساخت تناسب، قد و قامت اور رنگ سے ہے اس میں لباس کی وضع قطع اور آرائش بھی شامل ہے۔ حسن و جمال کی دوسری قسم پر یہ شعر صادق آتا ہے کہ

تصنع سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

اچھے اخلاق و آداب کا اپنا ایک الگ حسن ہے جو انسان اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور دانشمندوں کے نزدیک معنوی حسن کی قیمت ظاہری حسن کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ کسی عورت سے محض اس کے ظاہری حسن و جمال کی بناء پر شادی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت کی ہے۔

تاہم اگر ظاہری اور باطنی حسن دونوں کسی عورت میں یکجا ہوجائیں تو کیا بات ہے اسلام کے نزدیک یہ پسندیدہ صورت ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ عزوجل نے شوہروں کو اپنی بیویوں کے بارے میں صبر و ضبط سے کام لینے کا حکم دیا ہے اس صورت میں وہ ان کی فرماں برداری کرسکتی ہیں۔ اگر بیوی میں کوئی وصف ناپسندیدہ ہے تو کوئی اور خوبی اس میں ایسی ہوسکتی ہے جو اسے اچھی لگ جائے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی کئی عورتوں کا نام آتا ہے جو حسن کے ظاہری معیار پر تو پوری انہیں اترتی تھیں لیکن ان کے بطن سے ایسی شخصیتوں نے جنم لیا جو آگے چل کر عظمت کی بلندیوں کو پہنچیں۔ یہ وہ عورتیں تھیں جنھوں نے شوہر کی تابعداری کی مثال قائم کی پریشانی اور مرض میں دن رات ایک کرکے ان کی خدمت کی۔ اس لئے سائل کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ایسی عورت سے علیحدہ نہ ہو جو نہ صرف اس پر بلکہ اس کے والدین اور افراد خانہ پر اپنی جان چھڑکتی ہے۔ یہ بات سمجھنی چاہئے کہ آج کے زمانے میں بہت سے گھریلو جھگڑے اور پریشانیاں ایسی بیویوں کی وجہ سے سامنے آتی ہیں جن کی طبیعت بغض اور کینہ سے بھری ہوتی ہے۔ اگر سروے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان مردوں کی ازدواجی زندگی زیادہ پرسکون اور ہنگاموں سے پاک ہے جن کی بیویاں اس عورت سے بھی زیادہ معمولی شکل و صورت کی ہیں جس کے اندر سائل کی ماں اور بہنوں نے حسن کا پہلو تلاش کرلیا۔ اس لئے اس عورت پر قناعت اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

Invitation Price Rs. 5/-
1 - 15 NOVEMBER 1995
Volume No: 2, Issue No: 21

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018/ 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/95

کہیں آپ کی کامیابی ناکام تو نہیں؟

عمدہ سوٹ میں ملبوس، وجیہ شکل و صورت کا انسان، جس کے چہرے سے آسودگی اور فراوانی کا اظہار ہوتا ہو جس کے پاس دنیا کی قیمتی گاڑیوں کی قطار ہو، خوبصورت محلات اور وفادار ملازمین کا ایک بڑا عملہ موجود ہو، جس کو ایک جھلک دیکھنے کے لئے لاکھوں لوگ بے چین رہتے ہوں یا جس کے ایک اشارہ کی قیمت کروڑوں روپے میں شمار ہوتی ہو یا کسی ایسی خاتون اداکارہ کا شمار کیجئے جس کی ایک مسکراہٹ ملین ڈالر میں بکا کرتی ہو اور جس کی ایک ادا پر قربان جانے کے لئے لاکھوں لوگوں کے دل دھڑکتے ہوں۔ عام طور پر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ شاید یہ دنیا کے کامیاب ترین لوگ ہیں۔

کامیابی کے اس مرتبہ تک پہنچنے کے لئے ایسے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ اپنی ایک ایک ادا کو مانجھنے اور تراشنے میں ان کو سالہا سال لگ جاتے ہیں۔ جب جاکر کہیں ایک ایسی قاتلانہ مسکراہٹ جنم لیتی ہے جس کے دیدار کو ان کے متوالے ترستے ہیں۔ مغرب میں شخصیت کی ارتقاء اور اس کی تراش خراش پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ مرعوب کن گفتگو کیسے کریں، سحر انگیز خطابت کیسے ہوتی ہے، لوگوں کو دوست کیسے بنایا جاتا ہے، اور اپنی شخصیت میں ایک طلسماتی اور کرشماتی انداز کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے۔

البتہ گذشتہ سال اسی موضوع پر ایک مسلم دانشور ڈاکٹر ابراہیم القعید نے جو کتاب لکھی ہے، سال گزر جانے کے بعد بھی اس کی گونج علمی حلقوں میں سنائی دے رہی ہے اس کتاب کی اشاعت نے انسانی شخصیت کی تعمیر میں بعض ان پوشیدہ گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے جن کی طرف مغربی مفکرین کی توجہ بوجوہ اب تک نہ ہوسکی تھی۔

غالبا ابراہیم پہلے مسلم دانشور ہیں جنہوں نے شخصیت سازی پر اسلامی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ ابراہیم جن کی اعلی تعلیم مغرب کی بہترین دانشگاہوں میں ہوئی ہے وہ کوئی دس برسوں سے انسان کو کامیاب بنانے والی مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ انہیں ہر کتاب کے مطالعے کے بعد ایک تشنگی کا احساس رہا اور ایسا لگا جیسے مغربی دانشور انسان کے اندرون میں پہنچنے سے قاصر رہے ہوں۔

پھر وہ اس بات کو بھی ہضم نہ کرپائے کہ دنیا کا کامیاب ترین انسان جو دنیاوی اعتبار سے دوسروں پر سبقت لے گیا ہے اپنے اندرون میں اتنا کمزور اور اپنی تنہائی سے اتنا پریشان ہوسکتا ہے کہ وہ بسا اوقات خودکشی کے خیال میں غرق ہوجاتا ہو۔ عوامی مقبولیت رکھنے والی مختلف شخصیات کی خودکشی اور دنیا میں سب کچھ حاصل کرلینے کے بعد اچانک اس دنیا سے بے رغبتی یہاں تک کہ دنیا کی قید سے نکل بھاگنے کے لئے اپنی ہلاکت کی کوشش یہ کچھ ایسے مظاہر تھے جس نے ڈاکٹر ابراہیم کو بار بار ان کتابوں کی افادیت کا جائزہ لینے پر آمادہ کیا۔

ابراہیم اس خیال سے بھی پریشان تھے کہ شخصیت سازی کی یہ کتابیں اور دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے یہ سطحی نسخے مسلم ممالک میں بھی بڑی تعداد میں فروخت ہورہے ہیں اور خود مسلمانوں کے اہل فکر بھی اس سے بڑے پیمانے پر اکتساب فیض کر رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمان کے نزدیک کامیابی کا پیمانہ مغرب سے یکسر مختلف ہے۔ اصل کامیابی تو یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک آپ کی قدر و قیمت کیا ہے نہ یہ کہ دنیا میں کتنے لوگ آپ پر مرمٹنے کے لئے تیار ہیں۔ برسہا برس کے غور و فکر کے بعد بالآخر ڈاکٹر ابراہیم نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کا تہیہ کرلیا اور اس طرح اس موضوع پر شائع ہونے والی سیکڑوں کتابوں میں ایک ایسی بیش قیمت کتاب کا اضافہ کرنے میں کامیاب ہوگئے جو صرف شخصیت کی ظاہری تراش و خراش کی طرف ہی توجہ نہیں دلاتی بلکہ اس کے اندرون کو ایک ایسے سکون سے آشنا کرتی ہے جو خدا کے قرب کے بغیر ممکن نہیں۔

ایک ایسے مرحلے میں جب انسان کے اندرون میں ایک حقیقی روحانی سکون کی ضرورت کا احساس اب مغرب میں عام ہوتا جارہا ہے، کامیابی کے موضوع پر لکھی جانے والی یہ کتاب ایک بڑے علمی حلقے کو متاثر کرسکتی ہے۔ ایسا اس لئے بھی کہ فی زمانہ کامیابی حاصل کرنے کے طریقوں پر لکھی جانے والی کتابوں کا ایک سیلاب سا آیا ہوا ہے۔ دانیال کارنیگی سے لے کر اسٹیفن کووی اور اس کے رفقاء تک سب کو احساس ہے کہ ابھی اصل کامیابی کے محرک کا سراغ لگانا باقی ہے ورنہ غور کیجئے بھلا یہ بھی کوئی کامیابی ہوئی کہ صبح سے شام تک دنیا حاصل کرنے کے جتن میں گزرے، خود کو لوگوں کے لئے مقبول بناکر پیش کرنے کا خیال دل و دماغ پر چھایا رہے۔ صبح سے شام تک ایک تھکا دینے والی مصروفیت آپ پر مسلط رہے۔ دن گزریں، سال گزرے اور اس طرح ایک دن اچانک زندگی کا چراغ گل ہوجائے اور آپ کی شدید مصروفیت اس بات کا موقع ہی نہ دے کہ آپ چند لمحے کے لئے رک کر اپنے اندرون میں سکون اور مسرت کے ماخذ کو تلاش کرسکیں۔ یہ تو انتہا درجے کی غلامی ہوئی۔ ایسے ہی لوگوں کو تصوف کی اصطلاح میں سگ دنیا یعنی دنیا کا کتا کہا جاتا ہے۔

اصل کامیابی تو یہ ہے کہ آپ کا ہر عمل اور شخصیت کی تراش خراش دنیا کی ظاہری چمک دمک سے آپ کو بے نیاز کردے۔ نہ تو آپ کو کسی کا طنز کرنا دل آزار معلوم ہو اور نہ ہی آپ کا تمسخر اڑانے والے آپ پر گراں گزریں۔ دنیا کی آسائش اور زندگی جینے کی عادتیں آپ پر حکمرانی نہ کریں۔ کبھی کوئی چیز میسر نہ آئے تو آپ پر یہ سب کچھ گراں خاطر نہ ہو یعنی فقر و فاقہ میں بھی اتنی ہی مسرت کا احساس ہو جتنا کہ آسودگی میں۔ آپ ہر اس حالت میں مطمئن رہیں جس میں آپ کا رب آپ کو رکھنا چاہے یعنی راضی برضا۔ خدا کے قرب میں آسائش دنیا کو ہیچ سمجھنا ہی کامیابی کا بلند ترین مقام ہے۔

★★★